نَضَّرَ اللّٰهُ اِمْرَأً سَمِعَ مِنَّا شَيْئًا فَبَلَّغَهُ كَمَا سَمِعَهُ (حدیث ترمذی)

"اللہ اس شخص کو شگفتہ رکھے جس نے ہم سے کوئی بات سنی اور اسے پہنچا دیا جیسا کہ سُنا تھا۔"

تنویر الحدیث

تالیف :

شمس پیرزادہؒ

ادارہ دعوۃ القرآن

۵۹۔محمد علی روڈ، ممبئی ۴۰۰۰۰۳

Idara Dawatul Quran

59,Muhammad Ali Road,Mumbai-400003

phone: 23465005

تیسرا ایڈیشن:۲۱۰۰

قیمت:۸۰/روپے

فروری ۲۰۱۲ء

Price : 80/-

نَضَّرَ اللّٰهُ اِمْرَأً سَمِعَ مِنَّا شَيْئًا فَبَلَّغَهُ كَمَا سَمِعَهُ (حدیث ترمذی)

"اللہ اس شخص کو شگفتہ رکھے جس نے ہم سے کوئی بات سنی اور اسے پہنچا دیا جیسا کہ سُنا تھا۔"

تنویر الحدیث

تالیف :

شمس پیرزادہؒ

ادارہ دعوۃ القرآن

۵۹۔محمد علی روڈ، ممبئی ۴۰۰۰۰۳

Idara Dawatul Quran

59,Muhammad Ali Road,Mumbai-400003

phone: 23465005

تیسرا ایڈیشن:۲۱۰۰

قیمت:۸۰/روپے

فروری ۲۰۱۲ء

Price : 80/-

بسمہٖ تعالیٰ

عرض ناشر

"تنویر الحدیث" کا تیسرا ایڈیشن آپ کے ہاتھوں میں ہے۔اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ "ادارہ دعوۃ القرآن" کی مطبوعات "تفسیر دعوۃ القرآن" احادیث کے مجموعے، اور اصلاحی لٹریچر کو قبول عام حاصل ہوا ہے۔ اور جہاں مسلمانوں میں اہل علم و عام لوگ اس سے یکساں طور پر فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ وہیں غیر مسلموں کی متعد بہ تعداد اسلام کا تعارف اور اس کے صحیح تصور سے آشنا ہوئی ہیں۔

ادارہ نے اب تک حدیث کے دو مجموعے " جواھر الحدیث "اور "تنویر الحدیث" کے نام سے شائع کئے ہیں۔ ان کے مؤلف ادارہ دعوۃ القرآن کے بانی مولانا شمس پیرزادہ مرحوم و مغفور ہیں۔ جن کی شخصیت ملک اور بیرون ملک میں اب تعارف کی محتاج نہیں ہے۔

"تنویر الحدیث" میں مولانا مرحوم نے حدیثوں کا انتخاب مسلمانوں کے فکری و عملی اصلاح اور ان کی تربیت و تزکیہ کے پہلو کو ملحوظ رکھ کر کیا ہے۔ "تنویر الحدیث" اردو کا یہ تیسرا ایڈیشن ہے۔

حدیث کے معاملہ میں مرحوم کا نقطۂ نظر تحقیقی رہا ہے۔ اس لئے حدیثوں کے انتخاب میں انہوں نے حدیث کی صحت کو پوری طرح ملحوظ رکھا ہے۔ ضعیف حدیثوں اور بے سروپا روایتوں کے غلبہ نے صحیح حدیثوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ حالانکہ دین میں صحیح حدیثیں ہی حجت ہیں اور انہیں پر عمل کرنے والا رسول ﷺ کا سچا پیرو بن سکتا ہے۔

اس کے انگریزی اور مراٹھی ترجمہ بھی شائع ہو کر منظر عام پر آچکے ہیں۔ اور جواہر الحدیث کے اردو، مراٹھی، گجراتی اور انگریزی میں متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

امید ہے کہ اہل خیر حضرات ان کتابوں کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے کی کوشش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے دین کی صحیح خدمت کرنے اور اپنے رسول ﷺ کی سچی پیروی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

۲۸ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ
فروری ۲۰۱۲ء

محمد صدیق قریشی
سکریٹری
ادارہ دعوۃ القرآن
ممبئی ۴۰۰۰۰۳

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش لفظ

اس سے پہلے صحیح حدیثوں کا ایک مجموعہ "جواہر الحدیث" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ جو غیر مسلموں کو پیش نظر رکھ کر ترتیب دیا گیا تھا۔ الحمد للہ اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اور انگریزی اور دیگر زبانوں میں اس کے تراجم بھی شائع ہو گئے۔

اب حدیث کا دوسرا مجموعہ "تنویر الحدیث" کے نام سے شائع کیا جا رہا ہے جو مسلمانوں کو پیش نظر رکھ کر ترتیب دیا گیا ہے اور حدیثوں کے انتخاب میں مسلمانوں کی فکری و عملی اصلاح، دین میں تفقہ، علم و بصیرت، کردار کی بلندی اور تربیت و تزکیہ جیسے پہلوؤں کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ نیز اس بات کو بھی مدنظر رکھا گیا ہے کہ ان کا تصورِ دین بھی صحیح ہو اور وہ دین کی اصل روح (Spirit) کو بھی پا سکیں۔ حدیثوں کی تشریح میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ ارشادات رسول کا مفہوم واضح ہو اور موجودہ صورت حال میں مسلمان ان سے رہنمائی حاصل کریں۔

حدیثوں کا یہ انتخاب صحیح اور حسن حدیثوں پر مشتمل ہے۔ اسناد کے لحاظ سے بھی ان حدیثوں میں کلام کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور متن (مضمون) کے لحاظ سے بھی ان میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جو قرآن اور دوسری احادیث صحیحہ سے ہم آہنگ نہ ہو۔ ضعیف حدیثیں نقل کرنے سے پوری طرح احتراز کیا گیا ہے کیوں کہ ضعیف حدیثیں دین میں حجت نہیں مگر یہ افسوسناک صورت حال ہے کہ علماء اور واعظین کی بڑی تعداد ضعیف حدیثیں اور بے سروپا روایتیں بیان کرنے میں مشغول ہیں۔ وہ یہ دیکھنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کرتے کہ یہ روایتیں قرآن و سنت کے خلاف تو نہیں۔ نتیجہ یہ کہ قرآن کے بیانات اور محکمات پر ان روایتوں کی وجہ سے پردہ پڑ جاتا ہے اور عوام روایتوں کے پابند ہو کر رہ جاتے ہیں۔

قرآن کریم کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ ارشادات رسول کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔ ارشادات رسول سے قرآن فہمی میں بھی مدد ملتی ہے اور قرآن کے احکام کی تفصیلات بھی معلوم ہوتی ہیں، حکمتیں واضح ہوتی ہیں اور

علم وبصیرت کا سامان بھی ہوتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ قرآن کی ہدایت کی روشنی میں رسول کی رہنمائی احکام الٰہی کی تعمیل کے طریقے متعین کرتی ہے اور ان کا عملی نمونہ بھی پیش کرتی ہے۔ اس لئے حدیث رسول سے مسلمان ہرگز بے نیاز نہیں ہو سکتے۔

مسلمانوں میں جو عقائد کا اختلاف پایا جاتا ہے اور دین میں شعور کی جو کمی پائی جاتی ہے اور جس کج فہمی میں وہ مبتلاء ہو گئے ہیں اس کا اصل سبب قرآن وسنت سے براہ راست تعلق نہ رکھنا اور ان کا فہم حاصل کرنے کے معاملہ میں ان کی بے اعتنائی ہے۔ وہ اپنے اپنے حلقہ کے مؤلفین ومصنفین کی کتابوں کو پڑھ لیتے ہیں لیکن کھلے ذہن سے اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی احادیث کا مطالعہ کرنے کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا ذہن ایک خول میں بند رہتا ہے۔

اللہ کرے یہ گلدستۂ حدیث مسلمانوں کی اصلاح میں مدد اور معاون ثابت ہو، ان میں قرآن اور احادیث صحیحہ کے مطالعہ کا ذوق پیدا ہو، وہ رسول اللہ ﷺ کے سچے پیرو بن جائیں اور ان کے دل سے یہ دعا نکل جائے:

رَبَّنَا اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ. (آل عمران۔ ۵۳)

ترجمہ: ''اے ہمارے رب! جو ہدایت تو نے نازل کی ہے اس پر ہم ایمان لائے اور ہم نے رسول کی پیروی اختیار کی۔ ہمارا نام گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔''

شمس پیرزادہؒ
ادارہ دعوة القرآن بمبئی۔ ۳
۸، شوال ۱۴۱۸ھ
۵ رفروری ۱۹۹۸ء

فہرست

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۹	**اعتصام باللہ (تعلق باللہ)**	۳۴	حدیث پہنچانے والے کیلئے خوشخبری
۱۰	ایمان کی حلاوت	۳۶	سنت رسول کو دانتوں سے پکڑے رہنا
۱۱	بار بار کی توبہ	۳۹	**دین کیا ھے**
۱۲	اللہ سے ملاقات کا اشتیاق	۴۰	ایمان اور اسلام کی حقیقت
۱۳	اللہ سے اچھا گمان	۴۳	اخلاص
۱۵	اللہ جب بندے سے محبت کرتا ہے	۴۵	دین آسان ہے اس کو مشکل نہ بناؤ
۱۶	بندہ کے توبہ کرنے سے اللہ کو خوشی	۴۷	لوگوں کے لئے آسانی پیدا کرنا
۱۷	دلوں پر اللہ کا کامل تصرف	۴۸	اچھے طریقے رائج کرنا
۱۸	اللہ کو نگاہ میں رکھنا	۵۱	خودغرضی ایمان کے منافی ہے
۲۰	کمال توکل	۵۲	**دین کیا نهیں ھے**
۲۴	جو خرچ کیا جائے اللہ کی رضا جوئی کے لئے کیا جائے۔	۵۳	دین میں بدعت
		۵۴	سوالات کی کثرت مشکلات پیدا کرتی ہے
۲۵	اللہ کے ڈر سے آنکھوں کا اشکبار ہونا	۵۶	اللہ کے بارے میں لغو سوالات
۲۶	**رسول کی محبت و اطاعت**	۵۷	جب اسلام اجنبی ہو کر رہ جائے گا
۲۷	محبت رسول	۵۸	جن باتوں کا حکم دیا گیا ہے وہ نہ کرنا اور جن کا نہیں دیا گیا وہ کرنا
۲۸	اطاعت رسول		
۲۹	درود کا اجر	۶۰	فتنوں سے خبردار
۳۱	نبی ﷺ کی نافرمانی کرنے والے جنت سے محروم	۶۱	جب کٹر جاہل دینی رہنما بن کر سامنے آئیں گے
۳۲	جھوٹی حدیث بیان کرنے کا گناہ	۶۲	گمراہ قوموں کے نقش قدم پر چلنا

صفحہ	عنوان
٦٤	کسی مسلمان کو کافر کہنا
٦٥	**فهم دین اور اجتهاد**
٦٦	دین کا فہم اللہ کی بہت بڑی دین ہے
٦٧	اجتہاد کی قدر افزائی
٦٩	اجتہادی اختلاف کو گوارا کر لینا چاہئے
٧٠	نیکی اور بدی کی پہچان
٧١	عدلیہ کا فیصلہ ظاہر کے اعتبار سے ہوتا ہے
٧٣	**خواب اور شریعت**
٧٤	عالم برزخ کی ایک جھلک
٨١	مؤمن کے سچے خواب
٨٣	خواب سچے بھی اور جھوٹے بھی
٨٥	**قرآن سے شغف اور اس کا فهم**
٨٦	قرآن کی خوشبو سے مہک اٹھنے والا
٨٨	ماہر قرآن
٨٩	بے سمجھے قرآن پڑھنے والے
٩٠	رشک کرنا کس پر روا ہے
٩٢	ریاء نیک عمل کو برباد کر دیتی ہے
٩٥	**حسن عبادت اور حسن عمل**
٩٦	حسن عبادت کیلئے دعا
٩٧	اپنے اسلام میں خوبی پیدا کرنا
٩٨	نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا اور اس میں پیش پیش رہنا
٩٩	ایسی نماز پڑھنا جو نہ پڑھنے کے برابر ہو
١٠١	نماز کی برکتیں
١٠٢	فجر اور عصر کی نماز کو وقت پر ادا کرنیکی ترغیب
١٠٤	بہترین عمل
١٠٥	نماز با جماعت کی فضیلت
١٠٦	وضو کے اثر سے چہرے روشن
١٠٧	بہترین صدقہ
١٠٩	عظیم صدقہ
١١٠	روزہ ایمانی کیفیت کے ساتھ
١١١	حج میں پرہیزگاری
١١٢	افضل عمل
١١٣	ایصال ثواب نہیں صدقہ جاریہ
١١٦	**ذکر الٰهی**
١١٧	اللہ کے نزدیک محبوب کلمات
١١٨	ذکر الٰہی سے شعور بیدار رہتا ہے
١١٩	تسبیح کے کلمات کا محبوب ہونا
١٢١	مذاکراتی نشستیں
١٢٣	**جهاد فی سبیل الله**
١٢٤	جہاد کی فضیلت
١٢٦	دنیا کے مقابلے میں جنت
١٢٧	اصل کمزوری
١٢٩	اس امت کا ایک گروہ جو قیامت تک حق پر قائم رہے گا۔
١٣١	**بھلائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کا فریضه**
١٣٢	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کو ترک کرنے پر عذاب
١٣٣	منکر سے نہ روکنے کا انجام اجتماعی ہلاکت

صفحہ	عنوان
١٣٥	سر راہ بیٹھنے سے گریز
١٣٦	راستہ سے تکلیف دہ چیزوں کو دور کرنا
١٣٧	**دعوت و تبلیغ**
١٣٨	دعوت و تبلیغ کا اجر
١٣٩	دعوت میں تدریج
١٤١	**نظم و اجتماعیت**
١٤٢	اجتماعی نظم کو قائم رکھنے کے لئے سمع وطاعت ضروری ہے
١٤٣	امیر کی ناپسندیدہ بات پر صبر کرنا
١٤٥	کرسی کے بھوکے نہ بنو
١٤٧	ملت اسلامی جسد واحد
١٤٨	ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کے ساتھ سلوک
١٥٠	**حسن نیت اور رضائے الٰهی کی طلب**
١٥١	نیک عمل کی قبولیت کیلئے نیت کا خالص ہونا ضروری ہے
١٥٢	اعمال نیتوں سے وابستہ ہیں
١٥٣	اپنے اہل پر خرچ کرنا باعث اجر
١٥٤	مصیبت میں اپنے نیک عمل کو پیش کر کے نجات کے لئے دعا کرنا
١٥٨	**بهترین اوصاف**
١٥٩	امانتداری ایک بنیادی وصف ہے
١٦١	مؤمن سراپا خیر ہے
١٦٢	دنیوی اعتبار سے جو اپنے سے کمتر ہے اُس پر نظر ڈالو
١٦٣	جو درگزر کرتے ہیں اللہ ان سے درگزر فرماتا ہے
١٦٤	زبان سے ایسی بات نکالنا جو درجات کو بلند کرنے والی ہو
١٦٥	انکساری درجہ کو بلند کرتی ہے
١٦٦	بیماری میں صبر
١٦٨	آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرے
١٦٩	اچھی اور بُری صحبت کا اثر
١٧٠	انصاف کرنے والوں کا بلند درجہ
١٧١	کردار کی بلندی
١٧٤	تجربہ سے سبق حاصل کرنا
١٧٥	لوگوں کے لئے آسانی پیدا کرنا
١٧٦	جتنی بڑی تکلیف اتنا بڑا اجر
١٧٧	تکلیف باعث خیر
١٧٨	قناعت پسندی
١٧٩	تکلیف گناہوں کو مٹا دیتی ہے
١٨٠	مسلمان مسلمانوں کیلئے سلامتی کا باعث
١٨١	بدگمانی کا موقع پیدا نہ ہونے دینا
١٨٢	تکلیف پہنچنے پر اگر مگر کی باتیں نہ کرنا
١٨٣	قرض لینے سے گریز
١٨٥	کاشت کاری اور شجر کاری باعث خیر
١٨٦	نکاح کیلئے دیندار عورت کا انتخاب
١٨٧	**معصیت کے کام اور ناخوشگوار باتیں**
١٨٨	مسلمان کا قتل کافرانہ عمل ہے

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۸۹	بلاوجہ کی خونریزی	۲۰۷	پانی میں پھونکنا منع ہے
۱۹۰	خودکشی کا انجام	۲۰۸	**قیامت کے دن پیش آنیوالا معاملہ**
۱۹۱	مؤمن جب معصیت کا مرتکب ہوتا ہے	۲۰۹	ہر شخص سے اللہ کلام فرمائے گا
۱۹۲	آنکھوں کا زنا	۲۱۰	اللہ کے حضور پیشی کا مرحلہ
۱۹۳	جھگڑالو شخص اللہ کو ناپسند	۲۱۱	عورتوں کا اپنے شوہر یا اپنے ساتھی کی
۱۹۴	خیانت کا انجام		ناشکری کرنا
۱۹۸	کپڑے گھسیٹتے ہوئے چلنا	۲۱۳	شہرت چاہنے والوں کے ساتھ معاملہ
۱۹۹	کپڑے ٹخنوں سے نیچے لٹکانا	۲۱۴	جس پر زیادتی کی گئی ہے اس کو بدلہ
۲۰۰	خودپسندی کا انجام		میں نیکیاں دینا ہوں گی
۲۰۱	مال کا غلام	۲۱۶	**جنت مؤمن کی منزل مقصود**
۲۰۲	بدترین معاشرہ	۲۱۷	جنت بھی کس قدر قریب ہے اور جہنم بھی
۲۰۳	بد سے بدتر زمانہ	۲۱۸	صبر کا صلہ جنت
۲۰۴	زمانہ کو بُرا بھلا کہنا	۲۱۹	جنت کے بالا خانوں کی بلندی
۲۰۵	لغو اشعار سے پرہیز		کی ایک جھلک
۲۰۶	بسیار خوری	۲۲۰	اللہ کا سب سے افضل انعام

اعتصام باللہ
(تعلق باللہ)

ایمان کی حلاوت

حدیث

عَـنْ اَنَـسٍ عَـنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ ثَلٰثٌ مَنْ کُنَّ فِیْهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْاِیْمَانِ اَنْ یَّکُوْنَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَ اَنْ یُّحِبَّ الْمَرْءُ لَا یُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰهِ وَ اَنْ یَّکْرَهَ اَنْ یَّعُوْدَ فِی الْکُفْرِ کَمَا یَکْرَهُ اَنْ یُّقْذَفَ فِی النَّارِ ۔ (البخاری کتاب الایمان)

ترجمه

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس میں یہ تین باتیں ہوں اس نے ایمان کی حلاوت پا لی ۔ایک یہ کہ اللہ اور اس کا رسول اس کے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہوں، وہ کسی شخص سے محبت کرے تو اللہ ہی کے لئے کرے اور کفر کی طرف لوٹنے کو اسی طرح نا پسند کرے جس طرح آگ میں ڈالے جانے کو نا پسند کرتا ہے۔(بخاری کتاب الایمان)

تشریح

ایمان کی حلاوت سے مراد ایمان کا خوشگوار اثر اپنے قلب میں محسوس کرنا اور اس کے شیریں ذائقہ سے انبساط کی کیفیت کا پیدا ہو جانا ہے ۔ یہ مخلصانہ ایمان کی علامت ہے ۔حدیث میں ایمان کی حلاوت کے تعلق سے جن تین باتوں کا ذکر ہوا ہے ان میں سے پہلی بات تو اللہ اور اس کے رسول کو تمام لوگوں سے زیادہ محبوب رکھنا ہے یعنی اللہ اور اس کے رسول کی محبت تمام محبتوں پر غالب ہو۔ اللہ اور اس کے رسول سے تعلق کی نوعیت محض اطاعت کی نہیں بلکہ اس کے ساتھ گہرے لگاؤ اور شدید محبت کی ہونی چاہئے ۔اللہ کی محبت مقدم ہے اس کے بعد اس کے رسول کی محبت کہ یہ بھی اللہ سے محبت ہی کے تحت ہے اور اس کا تقاضہ بھی ۔

دوسری بات حدیث میں یہ بیان ہوئی ہے کہ کسی شخص سے محبت کرے تو اللہ ہی کے لئے کرے یعنی لوگوں

سے اس کی محبت بھی خود غرضی کے لئے نہیں بلکہ اللہ کی خاطر ہونی چاہئے ۔ایسا شخص ان لوگوں سے محبت کرے گا جو اللہ کو محبوب رکھتے ہیں ۔کافروں اور فاسقوں سے وہ محبت نہیں کرے گا اور انہیں اپنا دوست نہیں بنائے گا۔

حدیث میں تیسری بات یہ ارشاد ہوئی ہے کہ کفر میں لوٹنے کو اسی طرح نا پسند کرے جس طرح آگ میں لوٹائے جانے کو نا پسند کرتا ہے ۔ظاہر ہے کفر کا نتیجہ جہنم ہے لہٰذا ایک مسلمان کا کفر کی طرف واپس جانا اپنے کو جہنم میں دھکیلنے کے مترادف ہے اسی لئے اس میں لوٹنے کو آگ میں جانے سے تعبیر کیا گیا ہے ۔کفر سے یہ انتہائی نفرت اپنے ایمان میں مخلص ہونے کی علامت ہے۔

بار بار توبہ کرنا

حدیث

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَا اَیُّهَا النَّاسُ تُوْبُوْا اِلَی اللّٰهِ فَاِنِّیْ اَتُوْبُ فِی الْیَوْمِ اِلَیْهِ مِائَةَ مَرَّةٍ ۔(مسلم کتاب الذکر)

ترجمه

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگو! اللہ کے حضور توبہ کرو۔ میں دن میں سو مرتبہ اللہ کے حضور توبہ کرتا ہوں ۔ (مسلم کتاب الذکر)

تشریح

یہ ترغیب ہے روزانہ بار بار توبہ کرنے کی ۔معلوم نہیں آدمی سے روزانہ کتنے گناہ اور کتنے قصور سرزد ہوتے ہوں گے اس لئے بہ کثرت توبہ کرتے رہنا چاہئے ۔توبہ یہ ہے کہ آدمی اس احساس کے ساتھ کہ مجھ سے گناہ سرزد ہوئے ہیں اللہ کی طرف پلٹے اور اس سے معافی کا خوستگار ہو۔آدمی جتنی زیادہ توبہ کرے گا اتنا ہی اس میں احساس بندگی پیدا ہوگا، اعتراف گناہ بھی ہوگا۔ اور اللہ سے رحمت کا امیدوار بھی ہوگا۔توبہ محض زبان سے

توبہ توبہ کہنے کا نام نہیں ہے بلکہ توبہ کے کلمات مثلاً اے اللہ میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں کے ساتھ اللہ کی طرف پلٹنا اور رجوع ہونا ہے تا کہ وہ گناہ بخش دے۔

اللہ سے ملاقات کا اشتیاق

حدیث

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ قَالَ اللّٰهُ اِذَا اَحَبَّ عَبْدِیْ لِقَآئِیْ اَحْبَبْتُ لِقَآئَهٗ وَاِذَا کَرِهَ لِقَآئِیْ کَرِهْتُ لِقَآءَهٗ۔ (البخاری کتاب التوحید)

ترجمہ

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ فرماتا ہے: جب میرا بندہ مجھ سے ملنا پسند کرتا ہے تو میں بھی اس سے ملنا پسند کرتا ہوں اور جب وہ میری ملاقات کو ناپسند کرتا ہے تو میں بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہوں۔ (بخاری کتاب التوحید)

تشریح

جس شخص کو اللہ سے محبت ہوتی ہے اور وہ تقویٰ کی زندگی گزارتا ہے اس کے اندر اللہ سے ملاقات کا اشتیاق پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کا دل اللہ کی طرف لگتا ہے اور وہ اس بات کا منتظر رہتا ہے کہ کب اللہ تعالیٰ اسے اپنی ملاقات کی سعادت بخشتا ہے۔ ایک مؤمن جہاں بے صبر ہو کر موت کی دعا نہیں کرتا وہاں وہ موت کو ناپسند بھی نہیں کرتا۔ یہ علامت ہے اس بات کی کہ وہ دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتا ہے بخلاف اس کے جس شخص کی زندگی فاسقانہ ہوتی ہے وہ اللہ سے ملاقات کو پسند نہیں کرتا کیوں کہ وہ سمجھتا ہے کہ اللہ کو میں اپنی معصیتوں کا کیا جواب دے سکوں گا اور میرا کیا انجام ہوگا اسی لئے فاسق لوگ دنیا میں زیادہ سے زیادہ جینے کے حریص ہوتے ہیں اور قرآن کریم میں یہود کے بارے میں ارشاد ہوا ہے کہ وہ ہزار ہزار سال جینا چاہتے ہیں:

یَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ یُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ یُّعَمَّرَ۔

”ان میں ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اسے ہزار سال کی عمر ملے حالانکہ لمبی عمر اسے عذاب سے بچانے والی نہیں۔“ (سورہ بقرہ:۹۶)

اللہ سے اچھا گمان رکھنا

حدیث

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ یَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَاَنَا مَعَهٗ اِذَا ذَکَرَنِیْ فَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ نَفْسِهٖ ذَکَرْتُهٗ فِیْ نَفْسِیْ وَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ مَلَاٍ ذَکَرْتُهٗ فِیْ مَلَاٍ خَیْرٍ مِّنْهُمْ وَاِنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ بِشِبْرٍ تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ ذِرَاعًا وَاِنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ بَاعًا وَّاِنْ اَتَانِیْ یَمْشِیْ اَتَیْتُهٗ هَرْوَلَةً۔ (البخاری کتاب التوحید)

ترجمہ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اپنے بندے کے گمان کے پاس ہوتا ہوں جو وہ مجھ سے رکھتا ہے اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے۔ اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اپنے دل میں اسے یاد کرتا ہوں اور اگر وہ میرا ذکر کسی مجلس میں کرتا ہے تو میں اس سے بہتر مجلس میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔ اور اگر وہ میری طرف بالشت بھر بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف ہاتھ بھر بڑھتا ہوں اور اگر وہ میری طرف ہاتھ بھر بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف بانہہ (دو ہاتھ) بھر بڑھتا ہوں اور اگر وہ میرے پاس چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر جاتا ہوں۔ (بخاری کتاب التوحید)

تشریح

اللہ سے اچھا گمان رکھنا ایمان کا تقاضا ہے۔ جب کوئی شخص بیمار ہوتا ہے یا اسے تکلیف پہنچتی ہے اور بہ کثرت دعا کرنے پر بھی اس کی تکلیف دور نہیں ہوتی تو یہ اللہ کی طرف سے آزمائش ہوتی ہے کہ بندہ کہاں تک صبر کرتا ہے اور اللہ کے بارے میں کیا گمان رکھتا ہے۔ اس حال میں اگر وہ اللہ کی رحمت کی طرف سے مایوس ہو جاتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ اللہ اس کی دعاؤں کو قبول نہیں کرے گا تو یہ اللہ کے ساتھ بہت بڑی بدگمانی ہوتی ہے اور اس کی رحمت سے مایوس ہونے کے بعد اس کے لئے کوئی سہارا نہیں رہتا۔ ایک سچے مؤمن کا رویہ ایسا نہیں ہوتا وہ ہر حال میں اللہ سے پُر امید رہتا ہے خواہ دعا کی قبولیت میں دیر لگے۔ بندہ کو چاہئے کہ وہ اللہ سے خیر ہی کی امید رکھے اور اس سے تعلق استوار کر کے اپنے عمل سے اپنے کو اس کا مستحق بنائے جیسا کہ اسی حدیث میں آگے بیان ہوا ہے۔

اس حدیث قدسی میں یہ حقیقت اللہ تعالیٰ نے واضح فرمائی ہے کہ وہ بندہ کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہے جس کا وہ اللہ سے گمان رکھتا ہے۔ اگر اچھا گمان رکھتا ہے تو اس کی رحمت لازماً اس کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔

اللہ کو یاد کرنے کا ثمرہ بھی بہت بڑا ہے اور وہ یہ کہ اللہ کی رفاقت بندہ کو حاصل ہو جاتی ہے وہ اس کی رحمتوں کے سایہ میں جیتا ہے اور اس کی دستگیری اسے حاصل ہوتی ہے اور بالخصوص نازک مواقع پر۔ اللہ کا ذکر دل ہی دل میں بھی کرتے رہنا چاہئے اور مجلسوں میں بھی۔ بندہ اگر مجلس میں اللہ کا ذکر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کی مجلس میں بھی اس کا ذکر کرتا ہے اور یہ بندہ کے لئے کتنے بڑے سعادت کی بات ہے!

بندہ کے اللہ کی طرف بڑھنے کا مطلب اس کی عبادت واطاعت کے ذریعہ اس کا تقرب حاصل کرنا ہے اور اللہ کا بندہ کی طرف بڑھنے کا مطلب اس کو اپنی رحمت اور اپنے فضل سے نوازتا اور اسے اپنے قرب کی سعادت بخشتا ہے۔ بندہ جتنا اللہ کی طرف بڑھتا ہے اللہ اس سے کہیں زیادہ اس کی طرف بڑھتا ہے یعنی اس کی قدر افزائی فرماتا ہے اور اس کو اپنی عنایتوں سے کہیں زیادہ نوازتا ہے۔ رہا اللہ کا بالشت بھر اور ہاتھ بھر بڑھنا اور بندہ کی طرف دوڑنا تو اس کے لفظی معنی مراد نہیں ہیں بلکہ اس معنوی حقیقت کو کہ اللہ اپنی طرف بڑھنے والے بندہ کو اپنے فضل ورحمت سے نوازنے میں کس قدر تیز ہے تمثیلی پیرایہ میں پیش کیا گیا ہے۔

اللہ جب بندے سے محبت کرتا ہے

حدیث

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی اِذَا اَحَبَّ عَبْدًا نَادٰی جِبْرِیْلَ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَبَّ فُلَاناً فَاَحِبَّهٗ فَیُحِبُّهٗ جِبْرِیْلُ ثُمَّ یُنَادِیْ جِبْرِیْلُ فِی السَّمَآءِ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَبَّ فُلَاناً فَاَحِبُّوْهُ فَیُحِبُّهٗ اَهْلَ السَّمَآءِ وَیُوْضَعُ لَهُ الْقَبُوْلُ فِی اَهْلِ الْاَرْضِ ۔ (بخاری کتاب التوحید)

ترجمہ

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ جب اپنے کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو جبریل کو پکار کر کہتا ہے کہ اللہ فلاں شخص سے محبت کرتا ہے تو تم بھی اس سے محبت کرو چنانچہ جبریل بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر جبریل آسمان میں اعلان کرتے ہیں کہ اللہ فلاں شخص سے محبت کرتا ہے لہٰذا تم بھی اس سے محبت کرو تو آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور اس کیلئے زمین والوں میں قبولیت رکھ دی جاتی ہے۔ (بخاری کتاب التوحید)

تشریح

یہ حدیث کتنی روح پرور ہے اور اللہ کی طرف دل کو کھینچ لے جانے والی! اللہ کی شان کریمی دیکھئے کہ وہ اپنے بندہ سے جس نے اپنے کو اللہ کی محبت کا مستحق بنا لیا ہے محبت کرتا ہے اور جب وہ محبت کرتا ہے تو آسمان اور زمین میں اس کو قبولیت بخشی جاتی ہے۔ حضرت جبریل کو جو فرشتوں کے سردار ہیں اس بندہ سے محبت کرنے کا حکم ہوتا ہے چنانچہ ان کے نزدیک بھی وہ بندہ محبوب بن جاتا ہے پھر آسمان میں اس کی محبوبیت کا اعلان

کرتے ہیں تو فرشتے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اس طرح اس بندہ کا تعارف ملأ اعلیٰ میں ہوتا ہے، اس کے چرچے فرشتوں کی مجلس میں ہوتے ہیں اور وہ ان کی نظروں میں محبوب بن جاتا ہے۔ اس طرح آسمان والوں میں اس کی قدر و منزلت ہوتی ہے۔ مزید یہ کہ زمین والوں میں بھی اس کیلئے قبولیت رکھ دی جاتی ہے۔ زمین والوں سے مراد مؤمنین، صالحین ہیں جن کو اس سے انسیت اور محبت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ واقعہ ہے کہ اللہ کے نیک بندے نیک بندوں ہی کو پسند کرتے ہیں اور اللہ کی اس بندہ سے محبت کا اثر ان کے قلب و ذہن پر مرتب ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ اس حدیث میں اس بندہ کا ذکر ہوا ہے جو مخلص مؤمن ہے، جو اللہ کو محبوب رکھتا ہے اور جس کی زندگی اس کے احکام کی پیروی میں اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے بسر ہو رہی ہے۔ ایسا ہی بندہ اللہ کی محبت کا مستحق ہو سکتا ہے جیسا کہ قرآن میں بیان ہوا ہے کتنا اونچا مقام ہے جس پر اللہ تعالیٰ ان اوصاف کے بندوں کو فائز کرنا چاہتا ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اس کی طرف لپکیں۔

بندہ کے توبہ کرنے سے اللہ کو خوشی

حدیث

عَنْ انسِ بْنِ مَالِکٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ اَللّٰہُ اَشَدُّ فَرحاً بِتَوْبَۃِ عَبْدِہٖ مِنْ اَحَدِکُمْ اِذَا اسْتَیْقَظَ عَلیٰ بَعِیْرِہٖ قَدْ اَضَلَّہٗ بِاَرْضِ فَلَاۃٍ۔ (مسلم کتاب التوبہ)

ترجمہ

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کو اپنے بندہ کی توبہ سے اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے جتنی تم میں سے کسی شخص کو اس وقت ہوتی ہے جب کہ اس کا اونٹ جنگل میں کھو گیا ہو اور جاگتے ہی اس کو پالے۔ (مسلم کتاب التوبہ)

تشریح

بندہ کے توبہ کرنے سے اللہ کو خوشی ہوتی ہے کہ میرے بندہ کو اپنے گناہوں کا احساس ہے اور اس پر وہ نادم ہو کر میری طرف پلٹا ہے لہٰذا اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ توبہ پر اللہ تعالیٰ کو جو خوشی ہوتی ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہوتی ہے جو کسی شخص کو اس وقت ہوتی ہے جبکہ اس کا گمشدہ اونٹ اسے جنگل میں مل جاتا ہے اس حال میں کہ وہ مایوس ہو کر سو گیا تھا لیکن جب آنکھ کھل گئی تو اونٹ کو اپنے سامنے پایا غرضیکہ توبہ اگر سچی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور قبول فرماتا ہے۔ توبہ کی قبولیت کا یہ تصور بندہ کو اللہ سے پر امید کر دیتا ہے۔

دلوں پر اللہ کا کامل تصرف

حدیث

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ: اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ اِنَّ قُلُوْبَ بَنِیْ آدَمَ کُلَّھَا بَیْنَ اِصْبَعَیْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ کَقَلْبٍ وَاحِدٍ یُصَرِّفُہٗ حَیْثُ یَشَاءُ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَللّٰھُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلیٰ طَاعَتِکَ۔ (مسلم کتاب القدر)

ترجمہ

عبداللہ بن عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ تمام آدمیوں کے دل رحمٰن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں گویا کہ ایک دل ہے۔ وہ جس طرح چاہتا ہے ان کو پھیر دیتا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ دلوں کے پھیر دینے والے ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت پر مائل کر دے۔ (مسلم کتاب القدر)

تشریح

اس حدیث سے جو بات ذہن نشین کرانی مقصود ہے وہ یہ ہے کہ انسان کے باطن پر اللہ کا کام تصرف

ہے۔اللہ کی اطاعت بھی آدمی اسی صورت میں کرسکتا ہے جب کہ اللہ اس کے دل کو اطاعت پر مائل کردے۔

سورۂ تکویر میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ.

''تم نہیں چاہ سکتے جب تک کہ اللہ رب العالمین نہ چاہے۔''

البتہ یہ بات واضح رہے کہ اللہ اس شخص کو اپنی اطاعت کی توفیق ضرور دیتا ہے جو اس کا طالب ہو۔ایسا نہیں ہوتا کہ وہ اطاعت کرنا چاہتا ہو اور اللہ اسے سرکش بنادے۔

حدیث میں اللہ کی انگلیوں کا جو ذکر ہوا ہے تو اس پر مجمل ایمان لانا کافی ہے۔اس کی تاویل کرنا فتنہ کو دعوت دینا ہے۔اللہ ہر قسم کے نقص اور عیب سے پاک ہے اور اس کی صفات کے بارے میں ہم اتنا ہی جانتے ہیں جتنا اس نے ہمیں بتلایا ہے۔ان میں کھوج اور کرید انسان کو گمراہی میں ڈال دیتی ہے۔

اللہ کو نگاہ میں رکھنا

حدیث

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ : كُنْتُ خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ يَوْماً، فَقَالَ يَا غُلَامُ ، اِنِّيْ اُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ : اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ، اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ، اِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ، وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ ، وَاعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰى اَنْ يَنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوْكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ ، وَاِنِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى اَنْ يَضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوْكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ، رُفِعَتِ الْاَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ. هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ.

(الترمذی ابواب صفۃ القیامۃ)

ترجمہ

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک دن میں نبی ﷺ کے پیچھے سوار تھا۔آپ نے فرمایا: اے لڑکے! میں تمہیں چند باتیں سکھاتا ہوں۔اللہ کو نگاہ میں رکھو وہ تمہیں نگاہ میں رکھے گا۔اللہ کو نگاہ میں رکھو تو تم اسے اپنے سامنے پاؤ گے۔جب مانگو تو اللہ ہی سے مانگو، جب مدد چاہو تو اللہ ہی سے چاہو۔اور جان لو کہ اگر لوگ اس بات کے لئے اکٹھا ہو جائیں کہ تمہیں کچھ فائدہ پہنچائیں تو فائدہ نہیں پہنچا سکتے بجز اس فائدہ کے جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے۔اور اگر تمہیں نقصان پہنچانے کے لئے اکٹھا ہو جائیں تو نقصان نہیں پہنچا سکتے بجز اس نقصان کے جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے۔قلم اٹھا لئے گئے اور صحیفے خشک ہو گئے۔------- یہ حدیث حسن صحیح ہے۔(ترمذی ابواب صفۃ القیامۃ)

تشریح

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ نے نہایت مشفقانہ انداز سے جن باتوں کی تعلیم دی وہ ایسے اوصاف ہیں جن کا گہرا تعلق باطنی کیفیت سے ہے۔

اللہ کو نگاہ میں رکھنا اس کو اپنے سامنے پانے کے مترادف ہے اور جب آدمی اللہ کو اپنے سامنے پائے گا تو لازماً وہ اس کی معصیت سے باز رہے گا اور اس کی اطاعت میں سرگرم رہے گا نیز اس کے اندر عبدیت کا احساس بھی زیادہ سے زیادہ ابھرے گا۔

''جب مانگو تو اللہ ہی سے مانگو اور جب مدد چاہو تو اللہ ہی سے چاہو'' کا تعلق عقیدہ سے بھی ہے اور اخلاق سے بھی۔عقیدہ سے تعلق یہ ہے کہ آدمی حقیقی نافع اللہ ہی کو سمجھے اور اسی کو حقیقی مددگار بھی سمجھے۔

غیر اللہ سے نہ کچھ مانگے اور نہ مدد طلب کرے۔اللہ کو الٰہ واحد ماننے کے مفہوم میں یہ باتیں شامل ہیں۔

رہا اخلاقی پہلو تو آدمی اپنے کو اتنا اونچا اٹھائے کہ مادی اسباب کے تحت لوگ جو کچھ کر سکتے ہیں اس کا بھی ان

سے خواستگار نہ بنے۔ ان سے مال وغیر کچھ طلب نہ کرے۔

اس حقیقت کو آدمی نظروں کے سامنے رکھے کہ تمام لوگ مل کر بھی نہ کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان بجز اس فائدہ یا نقصان کے جو اللہ نے مقدر میں لکھ دیا ہے۔ اس سے اللہ کی تقدیر پر یقین پیدا ہو جاتا ہے۔

''قلم اٹھا لئے گئے اور صحیفے خشک ہو گئے'' کا مطلب ہے کہ جو کچھ اللہ کو تقدیر میں لکھنا تھا وہ لکھ چکا۔ اب اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی لہٰذا انسان کو چاہئے کہ وہ تقدیر الٰہی پر یقین رکھے۔ اس سے توکل کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور اسے قلبی اطمینان ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ تقدیر اللہ کا بنایا ہوا منصوبہ ہے جس میں انسان کی وہ کوششیں اور تدبیریں بھی شامل ہیں جو اللہ کے دیئے گئے اختیارات کے تحت وہ کرے گا۔ اس لئے آدمی کو چاہئے کہ وہ کوششوں میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے اور ساتھ ہی میں یہ سمجھ لے کہ ہوگا وہی جو اللہ کو منظور ہے۔

کمال توکل

حدیث

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَ : خَرَجَ عَلَیْنَا النَّبِیُّ ﷺ یَوْماً فَقَالَ عُرِضَتْ عَلَیَّ الْاُمَمُ فَجَعَلَ یَمُرُّ النَّبِیُّ مَعَہُ الرَّجَلُ وَالنَّبِیُّ مَعَہُ الرَّجُلَانِ وَالنَّبِیُّ مَعَہُ الرَّھْطُ وَالنَّبِیُّ لَیْسَ مَعَہٗ اَحَدٌوَّ رَاَیْتُ سَوَادًا کَثِیْرًا سَدَّ الْاُفُقَ فَرَجَوْتَ اَنْ یَّکُوْنَ اُمَّتِیْ فَقِیْلَ ھٰذَا مُوْسیٰ وَ قَوْمُہٗ، ثُمَّ قِیْلَ لِیَ انْظُرْ فَرَاَیْتُ سَوَادًا کَثِیْرًا سَدَّ الْاُفُقَ فَقِیْلَ لِیَ انْظُرْ ھٰکَذَا وَھٰکَذَا فَرَاَیْتُ سَوَادًا کَثِیْرًا سَدَّ الْاُفُقَ فَقِیْلَ ھٰؤُلَآءِ اُمَّتُکَ وَ مَعَ ھٰؤُلَآءِ سَبْعُوْنَ اَلْفاً یَّدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ بِغَیْرِ حِسَابٍ فَتَفَرَّقَ النَّاسُ وَلَمْ یُبَیِّنْ لَھُمْ ، فَتَذَاکَرَ اَصْحَابُ النَّبِیِّ ﷺ فَقَالُوْا اَمَّا نَحْنُ فَوُلِدْنَافِی الشِّرْکِ وَلٰکِنَّا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ وَلٰکِنَّ ھٰؤُلَآءِ ھُمْ اَبْنَاؤُنَا: فَبَلَغَ النَّبِیَّ ﷺ

فَقَالَ: ھُمُ الَّذِیْنَ لَا یَتَطَیَّرُوْنَ وَلَا یَسْتَرْقُوْنَ وَلَا یَکْتَوُوْنَ وَعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ فَقَامَ عُکَاشَۃُ بْنُ مِحْصَنٍ فَقَالَ اَمِنْھُمْ اَنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ؟ قَالَ نَعَمْ، فَقَامَ اٰخَرُ فَقَالَ اَمِنْھُمْ اَنَا؟ فَقَالَ سَبَقَکَ بِھَا عُکَاشَۃُ. (البخاری کتاب الطب)

ترجمہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: میرے سامنے امتیں پیش کی گئیں تو ایک نبی کے ساتھ ایک شخص تھا؟ دوسرے نبی کے ساتھ دو اشخاص تھے، کسی نبی کے ساتھ ایک گروہ تھا اور کوئی نبی ایسے تھے کہ ان کے ساتھ کوئی نہ تھا۔ اور میں نے دیکھا کہ ایک بہت بڑی جماعت ہے اس نے افق کو بھر دیا تھا۔ میں نے کہا شاید یہ میری امت ہوگی لیکن مجھ سے کہا گیا کہ یہ موسیٰ اور ان کی قوم ہے۔ پھر مجھ سے کہا گیا کہ دیکھئے تو میں نے ایک کثیر جماعت دیکھی جس نے افق کو بھر دیا تھا۔ مجھ سے کہا گیا کہ دیکھئے اس طرح اور اس طرح تو میں نے کثیر جماعت دیکھی جس نے افق کو بھر دیا تھا۔ مجھ سے کہا گیا کہ یہ آپ کی امت ہے اور اس کے ساتھ یہ ستر ہزار لوگ ہیں جو جنت میں بغیر حساب کے جائیں گے۔ اس کے بعد (سننے والے) لوگ متفرق ہو گئے اور آپ نے یہ واضح نہیں فرمایا کہ یہ کون لوگ ہوں گے۔ لہٰذا نبی ﷺ کے اصحاب کہنے لگے جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم شرک کے زمانہ میں پیدا ہوئے البتہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے لیکن یہ ہماری اولاد ہو سکتی ہے۔ جب نبی ﷺ تک یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا: وہ وہ لوگ ہیں جو نہ بدشگونی لیتے ہیں، نہ رقیہ (منتر) کراتے ہیں۔ نہ داغ لگواتے ہیں بلکہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ یہ سن کر عکاشہ بن محصن کھڑے ہو گئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا میں ان میں سے ہوں۔ آپ نے فرمایا جی ہاں۔ پھر دوسرا شخص کھڑا ہو گیا

اورعرض کیا کیا میں ان میں سے ہوں ؟ آپ ﷺ سے فرمایا عکاشہ نے تم پر سبقت کی ۔ (بخاری کتاب الطب)

تشریح

جس وصف کے صلہ میں ستر ہزار لوگوں کو بلا حساب جنت میں داخل کیا جائے گا وہ ان کا کمال توکل ہے ۔ اللہ پر توکل تو ہر مسلمان کرتا ہے مگر اس کے بھی درجات ہیں اور اس کا تعلق دل کی کیفیت سے ہے جس کے مطابق عمل کا اظہار ہوتا ہے ۔ جن لوگوں کو جنت کی خوشخبری سنائی گئی ہے وہ ایسے لوگ ہیں جو توکل کے اعلیٰ درجہ پر قائم رہے ۔ ان کے توکل کی چند مثالیں مذکورہ حدیث میں پیش کی گئیں ۔ ایک یہ کہ وہ بدشگونی نہیں لیتے ۔ بدشگونی (براشگون لینا) ناجائز ہے کیوں کہ یہ بے حقیقت اور بے دلیل بات ہے مثلاً پرندہ کے اڑنے سے یا بلّی کے سامنے سے گزر جانے سے بُرا شگون لینا اور اس بنا پر کوئی کام کرنے سے رک جانا ۔ اسی طرح اپنے رہائشی مکان کو یا اپنی بیوی کو یا کسی دن کو منحوس خیال کرنا محض اٹکل پچو باتیں ہیں اور اللہ پر توکل (بھروسہ) کے منافی ۔ قرآن میں حکم دیا گیا ہے کہ :

ولا تقف ما لیس لک بہ علم ”جس چیز کا تمہیں علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑو ۔“ (بنی اسرائیل ۳۶)

یعنی جس چیز کی کوئی علمی دلیل نہیں ان سے احتراز کرنا چاہئے ۔ اس طرح قرآن نے ہر قسم کے اوہام و خرافات سے روکا ہے ۔

یوں تو ہر مخلص مؤمن بدشگونی سے بچتا ہے لیکن جن ستر ہزار لوگوں کو جنت میں بلا حساب داخل ہونے کی خوشخبری سنائی گئی ہے ان میں یہ وصف گویا بدرجہ اتم ہوتا ہے اور ان کے ذہن بدشگونی کے خیال سے بالکل خالی ہوتے ہیں ۔

دوسرا وصف ان کا یہ بیان ہوا ہے کہ وہ رقیہ یعنی منتر نہیں کراتے ۔ رقیہ اگر قرآن کی آیات یا دعائے مسنونہ کے ذریعہ ہو تو اس کا جواز ثابت ہے چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بستر پر لیٹتے تو معوذتین (سورۂ فلق اور سورۂ ناس) پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر پھونکتے اور پھر ان ہاتھوں کو اپنے جسم پر پھیر دیتے (بخاری کتاب الطب) لیکن رقیہ کرنے اور کرانے میں فرق ہے ۔ جب کسی شخصیت (بزرگ ، عالم وغیرہ)

کے ذریعہ رقیہ کرایا جاتا ہے تو رقیہ کرانے والا توکل کے اعلیٰ مرتبہ پر نہیں رہتا کیوں کہ وہ اپنی تکلیف اللہ کے حضور براہ راست پیش نہیں کرتا ۔

واضح رہے کہ مسنون رقیہ (منتر) کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ سے بیماری کی شفاء یا تکلیف کو دور کرنے کے لئے دعا ہی ہے البتہ اس میں قرآن کی آیات یا مسنون دعائیہ کلمات جیسے اذہب الباس رب الناس ....الخ پڑھ کر جسم پر پھونکا جاتا ہے تا کہ ان کلمات کی تاثیر سے شفاء حاصل ہو ۔ اس سے زیادہ نہ رقیہ کی کوئی حقیقت ہے اور نہ تعویذ گنڈوں کو اسلام نے جائز رکھا ہے ۔

ان کا تیسرا وصف یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ داغ نہیں لگواتے ۔ اس زمانہ میں زخم وغیرہ پر آگ سے داغ لگوا کر علاج کیا جاتا تھا ۔ اس طریقۂ علاج کو اسلام میں جائز تو رکھا گیا لیکن ناپسند قرار دیا گیا کیوں کہ یہ آگ سے جسم کی جلد کے ایک حصہ کو جلا دیتا ہے جو آگ کے عذاب سے مشابہت رکھنے والی چیز ہے اور نہایت تکلیف دہ بھی ۔ بے حساب جنت میں جانے والوں کا وصف یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ زخم وغیرہ کی کیسی ہی شدید تکلیف ہو لیکن وہ علاج کے اس طریقہ کو اختیار نہیں کرتے جو شرعاً ناپسندیدہ ہے بلکہ وہ اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں کہ وہ چاہے گا تو شفاء ہوگی ۔

یہ اوصاف ظاہر کرتے ہیں کہ ان میں کمال درجہ کا توکل ہے جس کی بنا پر انہیں یہ خوشخبری سنائی گئی ہے کہ وہ بے حساب جنت میں داخل ہوں گے ۔

آپ کا یہ ارشاد سنتے ہی عکاشہ نے عرض کیا کیا میں ان میں سے ہوں ۔ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ہاں تم ان میں سے ہو لیکن جب دوسرے شخص نے یہی بات عرض کی تو آپ نے فرمایا عکاشہ نے سبقت کی ۔ مطلب یہ ہے کہ عکاشہ بیان کردہ اوصاف کے حامل تھے یا ان کو اپنے اندر پیدا کرنے کے لئے مستعد تھے اسی لئے انہوں نے دعا کی درخواست کرنے میں پہل کی لہٰذا ان کو خوشخبری سنائی گئی ۔ ان کے بعد تو ہر شخص ان کو دیکھ کر اپنا نام پیش کرسکتا ہے اس لئے ہر شخص کو جواب نہیں دیا جاسکتا ۔

جو بھی خرچ کیا جائے اللہ کی رضا جوئی کیلئے کیا جائے

حدیث

عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ اَنَّهٗ اَخْبَرَهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنَّکَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِیْ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ اِلَّا اُجِرْتَ عَلَیْهَا حَتّٰی مَا تَجْعَلُ فِیْ فَمِ امْرَاَتِکَ .

(البخاری کتاب الایمان)

ترجمہ

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اللہ کی رضا جوئی کے لئے جو خرچ بھی کرو گے اس پر تمہیں اجر ملے گا یہاں تک کہ تم اپنے بیوی کے منہ میں جو لقمہ ڈالو گے اس پر بھی تمہیں اجر ملے گا۔ (بخاری کتاب الایمان)

تشریح

مطلب یہ ہے کہ جو انفاق معروف معنی میں صدقہ کے طور پر کیا جائے وہی باعث اجر نہیں ہے بلکہ ہر وہ انفاق (خرچ) جو اللہ کی رضا جوئی کیلئے کیا جائے باعث اجر ہے اور اس کی مثال حدیث میں یہ بیان فرمائی ہے کہ اپنی بیوی کے منہ میں اس نیت سے جو لقمہ بھی تم رکھو اس پر بھی تمہیں اجر ملے گا۔ شوہر اپنی بیوی کے کھانے وغیرہ پر خرچ تو کرتا ہی ہے لیکن اس خرچ اور اس نفقہ میں اللہ کی رضا جوئی پیش نظر نہیں ہے تو اس پر اجر نہیں ملے گا البتہ اگر رضا جوئی کو ملحوظ رکھا گیا ہے تو اس پر بھی اجر ملے گا۔

انفاق کا کتنا وسیع تصور ہے جو اس حدیث میں پیش کیا گیا ہے لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ آدمی اپنا مال صرف بیوی کو کھلانے پلانے میں ہی خرچ کرے بلکہ انفاق کہ تعلق سے جو حقوق اللہ تعالیٰ نے مقرر کئے ہیں ان کو ادا کرے جن میں بیوی کا نفقہ بھی شامل ہے۔

اللہ کے ڈر سے آنکھوں کا اشکبار ہونا

حدیث

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : لَا یَلِجُ النَّارَ رَجُلٌ بَکٰی مِنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ حَتّٰی یَعُوْدَ اللَّبَنُ فِی الضَّرْعِ، وَلَا یَجْتَمِعُ غُبَارٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ دُخَانُ جَهَنَّمَ . وَفِی الْبَابِ عَنْ اَبِیْ رَیْحَانَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ ..... هٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ. (الترمذی ابواب الزھد)

ترجمہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص آگ میں داخل نہیں ہوگا جو اللہ کے ڈر سے رویا جب تک کہ دودھ تھنوں میں لوٹ نہ جائے اور اللہ کی راہ کا غبار اور جہنم کا دھواں دونوں جمع نہیں ہو سکتے..........اس باب میں ابوریحانہ اور ابن عباس سے بھی روایتیں ہیں..........یہ حدیث صحیح ہے۔

تشریح

اللہ کے ڈر سے رقت کا طاری ہونا اس بات کی علامت ہے کہ وہ اللہ کی عظمت کے تصور سے لرزاں ہے اور اسے اللہ کے حضور جوابدہی کا احساس ہے ایسا شخص لازماً اللہ کا اطاعت گزار ہوگا کیوں کہ اللہ سے ڈرنا اور اس کا نافرمان بنے رہنا متضاد باتیں ہیں۔ لہٰذا اللہ کے ڈر سے رونے والے کو جہنم کی آگ سے محفوظ رہنے کی بشارت دی گئی ہے جس طرح دودھ کا تھنوں میں لوٹنا ممکن نہیں اسی طرح ایسے شخص کا جہنم میں جانا بھی ممکن نہیں۔

اللہ کی راہ کا غبار جہاد کے لئے مشقتیں برداشت کرنے کی علامت ہے اور جو شخص جہاد کے لئے نکلتا ہے وہ اللہ کی راہ میں اس کے دشمنوں سے لڑنے اور اپنی جان قربان کرنے کے لئے نکلتا ہے۔ یہ اتنی بڑی نیکی ہے کہ ایسے شخص کو آگ چھونے نہیں پاتی۔

رسول کی محبت
و
اطاعت

محبت رسول

حدیث

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَ وَلَدِہٖ وَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ۔ (بخاری کتاب الایمان)

ترجمہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ (بخاری کتاب الایمان)

تشریح

قرآن میں فرمایا گیا ہے:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ ۔ (الاحزاب:٦)

’’نبی مؤمنوں کے لئے ان کی اپنی جان سے زیادہ کا حقدار ہے۔‘‘

اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب رکھنا ایمان کا تقاضہ ہے اور اس کے بغیر ایمان معتبر نہیں۔ یہ محبت شعوری اور عقلی ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دل کی گہرائیوں میں جگہ ہو، آپ سے صرف ضابطہ کا تعلق نہ ہو بلکہ قلبی وابستگی ہو اور وہ بھی ایسی کہ اپنے تمام عزیزوں کے مقابلہ میں فوقیت رکھنے والی۔ ایسا شخص ہی رسول پر اپنی جان نثار کرنے کے لئے تیار ہوسکتا ہے اور رسول کی فرمانبرداری کو مقدم رکھ سکتا ہے۔

اطاعت رسول

حدیث

عَنِ الزُّهْرِيِّ اَخْبَرَنِیْ اَبُوْ سَلْمَةَ ابْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰهَ وَمَنْ اَطَاعَ اَمِیْرِیْ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ وَمَنْ عَصٰی اَمِیْرِیْ فَقَدْ عَصَانِیْ . (بخاری کتاب الاحکام)

ترجمہ

زہری کہتے ہیں کہ مجھے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے خبر دی کہ انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ (بخاری کتاب الاحکام)

تشریح

اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کا حکم بھی دیا ہے اور اپنے رسول کی اطاعت کا بھی:

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ (نساء:۵۹) ”اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔“

چونکہ رسول جو حکم دیتا ہے وحی الٰہی کی بنا پر دیتا ہے اور اپنی خواہش سے نہیں بولتا اس لئے اس کی اطاعت اللہ کی اطاعت کے ہم معنی ہے۔ اس سے سنت رسول کی اہمیت بھی واضح ہو جاتی ہے اور ان لوگوں کی گمراہی میں کوئی شک نہیں رہ جاتا جو قرآن کو کافی خیال کرتے ہیں اور سنت کی ضرورت محسوس نہیں کرتے حالانکہ سنت ہی سے قرآن کے احکام کی تفصیلات اور ان کو عملی جامہ پہنانے کے طور طریقوں کا علم حاصل ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر فرض نماز کی رکعتیں، ان کو ادا کرنے کا طریقہ، زکوٰۃ کی شرح وغیرہ اس لئے سنت سے انکار رسول کی

اطاعت سے انکار ہے اور رسول کی اطاعت سے انکار اللہ کی اطاعت سے انکار ہے۔

نبی ﷺ جب کوئی وفد یا دستہ کسی مہم پر روانہ کر دیتے تو اس کا امیر بھی مقرر کر دیتے تاکہ ان کے درمیان نظم قائم ہو اور جو قدم بھی اٹھایا جائے اپنے امیر کی رہنمائی میں اٹھایا جائے اور اتفاق واتحاد کی صورت پیدا ہو۔

درود کا اجر

حدیث

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ : اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَةً، صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ عَشْرًا . (مسلم کتاب الصلاۃ)

ترجمہ

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ اس پر دس مرتبہ درود بھیجتا ہے۔ (مسلم کتاب الصلاۃ)

تشریح

نبی ﷺ پر صلاۃ (درود) بھیجنے کا مطلب آپ کے حق میں دعائے رحمت کرنا ہے اور اللہ کے بندہ پر صلاۃ (درود) بھیجنے کا مطلب اس پر اپنی رحمت نازل کرنا ہے۔ درود اپنی مکمل شکل میں وہ ہے جو نماز میں تشہد کے بعد پڑھا جاتا ہے یعنی:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ.

”یا اللہ محمد پر رحمت بھیج جس طرح ابراہیم اور آل ابراہیم پر تو نے رحمت بھیجی۔ یقیناً تو لائق ستائش اور بزرگی والا ہے۔ یا اللہ محمد پر برکت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم پر اور آل ابراہیم پر برکت نازل فرمائی

یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔''

اور مختصر درود یہ ہے کہ جب آپ کے نام کا ذکر ہو تو صلی اللہ علیہ (اللہ آپ پر درود بھیجے) اور ساتھ ہی سلام بھی بھیجے یعنی وسلم بھی کہے۔

اس حدیث میں جو صحیح مسلم کی ہے اور صحیح کا درجہ رکھتی ہے ایک بار درود بھیجنے کا اجر دس گنا بیان کیا گیا ہے اور قرآن کی یہ آیت:

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا. (انعام۔۱۶۰)

''جو ایک نیکی لے کر آئے گا اس کے لئے اس کے دس گنا (اجر) ہے۔''

کے بالکل مطابق ہے لیکن حدیث کی غیر معتبر کتابوں میں درود کی فضیلت میں موضوع (گھڑی ہوئی) حدیثیں بھی شامل کی گئی ہیں۔مثلاً یہ حدیث کہ

مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ثَمَانِيْنَ مَرَّةً غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ ذُنُوْبَ ثَمَانِيْنَ عَامًا . (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ للالبانی ج ا ص ۱۵۱)

''جمعہ کے دن جس نے مجھ پر اسّی مرتبہ درود بھیجا اللہ اس کے اسّی سال کے گناہ معاف کر دے گا۔''

اس حدیث کو گھڑنے والے نے درود کی فضیلت میں مبالغہ کی حد کر دی ہے اور فضیلت کی ایسی ہی بے سروپا روایتیں ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو بے عمل بنا دیا ہے مگر افسوس ہے کہ علماء کا ایک طبقہ ایسی روایتیں بیان کرنے میں لگا ہوا ہے اور اس کو خدمت دین اور تبلیغ دین سمجھتا ہے۔

جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جتنا زیادہ درود بھیجے گا اتنا ہی آپ سے عقیدت و محبت میں اضافہ ہوگا لیکن اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ درود کو دین نے جو مقام دیا ہے اس کو اسی مقام پر رکھنا چاہئے اور ذکر الٰہی مثلاً تسبیح، تحمید، تکبیر، تہلیل (لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنا) کو جو اوّلیت اور فضیلت حاصل ہے اس کو اس کے مقام پر رکھنا چاہئے۔ورنہ دین کی اقدار متاثر ہوں گی اور توازن بھی برقرار نہیں رہ سکے گا۔قرآن میں درود بھیجنے کا حکم ایک جگہ دیا گیا ہے یعنی سورۂ احزاب میں۔۔اور قرآن کا حکم جو ایک جگہ دیا گیا ہو وہ بھی کافی اہمیت رکھتا ہے۔۔۔لیکن ذکر الٰہی، تسبیح و تحمید کا حکم قرآن میں بے شمار مقامات پر دیا گیا ہے اور اللہ کو بہ کثرت یاد

کرنے کی بار بار تاکید کی گئی ہے اس لئے ذکر الٰہی کے کلمات سے زبان ہمیشہ تر رہنی چاہئے۔جو لوگ سنت اور بدعت کے فرق کو نہیں سمجھتے وہ حلقہ بنا کر لاکھ اور سوا لاکھ مرتبہ درود پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں مگر درود کے لئے اس طرح کا اہتمام کسی شرعی دلیل پر مبنی نہیں ہے اور صحابۂ کرام کی زندگیوں میں اس کی کوئی نشاندہی نہیں کی جا سکتی۔

نبی ﷺ کی نافرمانی کرنے والے جنت سے محروم

حدیث

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : كُلُّ اُمَّتِیْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ اَبٰى قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَنْ يَّاْبٰى ؟ قَالَ مَنْ اَطَاعَنِیْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ اَبٰى . (البخاری کتاب الاعتصام)

ترجمہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت کے تمام لوگ جنت میں جائیں گے سوائے ان کے جنہوں نے انکار کیا۔صحابہ نے پوچھا اے اللہ کے رسول انکار کرنے والے کون؟ فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہو گا اور جس نے نافرمانی کی اس نے میرا انکار کیا۔'' (بخاری کتاب الاعتصام)

تشریح

یہ تنبیہ ہے نبی ﷺ کی طرف سے اپنی امت کے ان لوگوں کو جو آپ کی پیروی کرنے کے بجائے آپ کی نافرمانی کرتے ہیں اور اس خام خیالی میں مبتلا ہوتے ہیں کہ چونکہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے ہیں اس لئے ہم ضرور جنت میں جائیں گے۔حالانکہ قرآن نے بار بار صراحت کی ہے کہ جنت کے مستحق وہی

لوگ ہیں جو ایمان لا کر عمل صالح کریں اور یہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے بغیر ممکن نہیں۔قرآن یہ بھی صراحت کرتا ہے کہ: بَلٰی مَنْ کَسَبَ سَیِّئَۃً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِیْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ (بقرہ : ۸۱)

'' کیوں نہیں؟ جس نے بھی برائی کمائی اور اس کے گناہوں نے اس کو گھیرے میں لے لیا تو ایسے ہی لوگ دوزخ والے ہیں۔وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔''

آج مسلمانوں کی بڑی تعداد بےعملی میں مبتلا ہے مگر اپنے کو امت محمد میں سے ہونے پر فخر کرتی ہے اور سمجھتی ہے کہ یہ تعلق ان کی نجات کے لئے کافی ہوگا۔مذکورہ حدیث ایسے لوگوں کو دعوت فکر دیتی ہے۔

جھوٹی حدیث بیان کرنے کا گناہ

حدیث

قَالَ اَنَسٌ لَیَمْنَعُنِیْ اَنْ اُحَدِّثَکُمْ حَدِیْثاً کَثِیْرًا اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ مَنْ تَعَمَّدَ عَلَیَّ کَذِباً فَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ. (بخاری کتاب العلم)

ترجمہ

حضرت انس کہتے ہیں کہ مجھے بہ کثرت حدیثیں بیان کرنے سے جو چیز روکتی ہے وہ نبی ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ جس نے دانستہ مجھ پر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔(البخاری کتاب العلم)

تشریح

حضرت انس حدیثیں بیان کرنے میں محتاط تھے تا کہ کوئی غلط بات نبی ﷺ کی طرف منسوب نہ ہو جائے۔ثقہ راویوں نے اس احتیاط کو ملحوظ رکھا ہے لیکن بکثرت راویوں نے نبی ﷺ کی طرف حدیثیں منسوب کرنے میں بڑی بےاحتیاطی برتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ کتنی ہی متضاد حدیثیں آپ کی طرف منسوب

ہوگئی ہیں، کتنی ہی حدیثوں کے بالمعنیٰ روایت ہونے سے مفہوم میں فرق واقع ہوا ہے، کتنی ہی روایتوں میں راویوں کے نسیان کا دخل رہا ہے، کتنی ہی روایتوں میں حدیث بیان کرتے ہوئے راویوں نے اپنی طرف سے تشریح کی ہے جو حدیثوں کا جزء بن گئی ہے جسے اصطلاح میں مُدرَج کہا جاتا ہے، کتنی ہی حدیثوں میں تدلیس ہوئی ہے یعنی راوی نے ایسے راوی کا نام بیچ میں حذف کر دیا ہے جس کی روایت کو قبول کرنے میں محدثین تامل کرتے تھے اور کتنی ہی بے سروپا روایتیں غلط مقاصد کیلئے ثقہ راویوں کی طرف دانستہ منسوب کر دی گئی ہیں۔

بعد کے محدثین علماء اور فقہاء کی کمزوری یہ رہی کہ ایسی روایتوں کو قرآن اور ثابت شدہ سنت کی کسوٹی پر پرکھنے کے بجائے قبول روایت میں زیادہ سے زیادہ فراخی کا معاملہ کرتے رہے اور ضعیف سے ضعیف روایت کو حدیث رسول ثابت کرنے کی کوشش کرتے رہے۔نتیجہ یہ کہ عامۃ المسلمین ہر حدیث کو جو حدیث کی کسی بھی کتاب میں بیان ہوئی ہے خواہ وہ کتاب رطب و یابس کا مجموعہ ہی کیوں نہ ہو حدیث رسول سمجھ رہے ہیں اور اگر کوئی شخص ایسی کسی حدیث کو دلائل سے رد کر دیتا ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ یہ نبی ﷺ کے ارشاد کو تسلیم نہیں کر رہا ہے۔یہ زبردست غلط فہمی ہے جو عوام میں ان لوگوں کے بارے میں پیدا ہوئی ہے جو تحقیق کو ضروری سمجھتے ہیں۔

نبی ﷺ کا یہ ارشاد کہ آپ پر دانستہ جھوٹ بولنے والا اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے ان راویوں کیلئے وعید ہے جنہوں نے حدیثیں وضع کیں لیکن جو لوگ موضوع اور ضعیف حدیثوں کو پھیلاتے ہیں وہ بھی بڑی غیر ذمہ داری کا ثبوت دیتے ہیں۔حدیث کے معاملہ میں غیر محتاط رویہ نے دین کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔کاش لوگ حضرت انس کی مذکورہ بالا حدیث سے سبق لیتے!

حدیث پہنچانے والے کے لئے خوشخبری

حدیث

عَنْ عَبْدُاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ : نَضَّرَ اللّٰہُ اِمْرَأً سَمِعَ مِنَّا شَیْأً فَبَلَّغَہٗ کَمَا سَمِعَہٗ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعیٰ مِنْ سَامِعٍ ....ھذا حدیث حسن صحیح ۔(الترمذی ابواب العلم)

ترجمہ

حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: اللہ اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے ہم سے کوئی بات سنی اور اسے جس طرح سنا تھا اسی طرح پہنچایا۔ کتنے ہی لوگ جن تک بات پہنچائی گئی ہو ایسے ہوں گے جو سننے والے سے زیادہ اسے محفوظ رکھنے والے ہیں.......... یہ حدیث حسن صحیح ہے۔(ترمذی ابواب العلم)

تشریح

اس ارشاد رسول میں اس شخص کو خوشخبری دی گئی ہے جو نبی ﷺ سے حدیث سن کر دوسرے لوگوں تک اس کو صحت کے ساتھ پہنچائے۔ ساتھ ہی آپ نے یہ حقیقت بھی بیان فرمائی کہ جن تک حدیث پہنچائی جائے ان میں سے ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو سننے والے سے زیادہ اسے محفوظ رکھنے والے ہوں یعنی حدیث کے الفاظ کو اچھی طرح یاد رکھیں اور بہ کثرت لوگوں تک پہنچائیں۔ آپ کا اشارہ اس بات کی طرف تھا کہ جو صحابی آپ کی مجلس میں موجود ہو اور وہ آپ سے کوئی بات سنے تو وہ اس بات کو ان اصحاب تک پہنچائے جو مجلس میں موجود نہیں ہیں۔ چنانچہ آپ کے جو اصحاب آپ سے کوئی بات سن لیتے وہ دوسرے اصحاب تک اسے پہنچاتے مثال کے طور پر حضرت ابن عباس نے جو کمسن تھے کتنی ہی روایتیں دوسرے صحابہ سے سن کر بیان کی ہیں۔ اور

بعد میں ان ہی صحابہ نے اور لوگوں (تابعین)، تبع تابعین تک۔ حدیث پہنچانے کا یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ حدیث کی کتابیں اسناد کے ساتھ مدون ہوگئیں۔

اب ہمارے پاس حدیث کا بہت بڑا ذخیرہ احادیث کی کتب کی شکل میں موجود ہے۔ جن میں احادیث صحیحہ کے ساتھ ضعیف اور موضوع حدیثیں بھی شامل ہوگئی ہیں۔ لیکن دین میں حجت صرف صحیح حدیثیں ہیں یعنی وہ حدیثیں جو اسناد کے اعتبار سے بھی صحیح یا حسن ہوں اور جن کا متن بھی قرآن یا سنت کے خلاف نہ پڑتا ہو۔

ایسی حدیثوں کی تبلیغ واشاعت کی زیادہ سے زیادہ ضرورت ہے۔ جو لوگ اس خدمت کو انجام دیں گے ان کے لئے خوشخبری ہے۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ (احزاب:٦)

"نبی مؤمنوں کیلئے ان کی اپنی جان سے زیادہ کا حقدار ہے۔"

سنت رسول کو دانتوں سے پکڑے رہنا

حدیث

عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ قَالَ : وَعَظَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَوْماً بَعْدَ صَلَاةِ الْغَدَاةِ مَوْعِظَةً بَلِيْغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ فَقَالَ رَجُلٌ اِنَّ هٰذِهٖ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَبِمَاذَا تَعْهَدُ اِلَيْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ؟ قَالَ : اُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ ، وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَاِنْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ فَاِنَّهٗ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ يَرَ اخْتِلَافاً كَثِيْرًا، وَاِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ، فَاِنَّهَا ضَلَالَةٌ فَمَنْ اَدْرَكَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَعَلَيْهِ بِسُنَّتِىْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ. عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ .... هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ. (الترمذی ابواب العلم)

ترجمہ

حضرت عرباض بن ساریہ کہتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز کے بعد ہم کو بڑی بلیغ نصیحت فرمائی جس کو سن کر آنکھیں اشکبار ہوگئیں اور دل دہل گئے۔ ایک شخص نے کہا یہ الوداع کہنے والے کی نصیحت ہے تو اے اللہ کے رسول آپ ہمیں کس چیز کی تاکید فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے اور سمع وطاعت کی تاکید کرتا ہوں اگرچہ تم پر ایک حبشی غلام ہی کیوں نہ حکمراں ہو۔ کیوں کہ تم میں سے جو لوگ زندہ رہیں گے وہ بہ کثرت اختلاف دیکھیں گے۔ تو تم ان نئ باتوں سے بچنا جو دین میں نکالی جائیں گی کیوں کہ وہ گمراہی ہے۔ تو ہم میں سے جو کوئی ان حالات کو پائے اسے چاہئے کہ میری سنت کو اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طریقہ کو دانتوں سے مضبوط پکڑے رہے........ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (ترمذی ابواب العلم)

تشریح

اشارہ ہے ان فتنوں کی طرف جو عنقریب اٹھنے والے تھے چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت میں مانعین زکوٰۃ کا فتنہ اٹھا، حضرت عثمانؓ کی خلافت میں سبائی فتنہ اٹھا، حضرت علیؓ کی خلافت میں خوارج نے سر اٹھایا اور پھر قدریہ اور جبریہ کے فتنے پیدا ہوئے اور سب سے بڑا فتنہ شیعوں نے پیدا کیا جس نے امت کی بڑی تعداد کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اور جو آج بھی ایک بڑے فرقہ کی شکل میں موجود ہے۔ ان فتنوں میں جس چیز سے بچنے کی آپ نے تاکید کی وہ نئ باتیں ہیں جو دین میں پیدا کر دی جائیں گی اور جس چیز پر مضبوطی سے قائم رہنے کی ہدایت فرمائی وہ سنت یعنی نبی ﷺ کا طریقہ ہے اور ساتھ ہی خلفاء کے طریقہ کو پکڑے رہنے کی آپ نے ہدایت فرمائی جن خلفاء کے طریقہ کو پکڑے رہنے کی آپ نے ہدایت فرمائی ان کے دو اوصاف بیان فرمائے ایک یہ کہ وہ راشد ہوں گے یعنی سوجھ بوجھ رکھنے والے اور راست رو ہوں گے۔ جذبات کا شکار ہو کر راہ اعتدال سے ہٹ جانے والے نہیں ہوں گے اور ان کا دوسرا وصف یہ ہوگا کہ وہ عقیدہ و ایمان کے اعتبار سے ہدایت پائے ہوئے ہوں گے۔ وہ اپنے عقیدہ و ایمان میں کوئی نئ بات نہیں پیدا کریں گے بلکہ اس ہدایت پر قائم رہیں گے جس کو قرآن نے کھول کر بیان کر دیا ہے۔ یہ اوصاف خلفائے اربعہ میں بالکل نمایاں تھے اس لئے وہ امت کیلئے ائمہ ہدی قرار پائے۔ ان کی رہنمائی ان نئے نئے مسائل میں تھی جو ابھر کر سامنے آ گئے تھے اور لوگوں کیلئے فتنہ کا باعث بن گئے تھے مثلاً مانعین زکوٰۃ کا فتنہ، سبائی فتنہ، خوارج کا فتنہ، قدریہ اور جبریہ کا فتنہ وغیرہ۔ دوسری بات یہ ہے کہ اسلام نے سیاست اور حکومت کے تعلق سے جو اصولی احکام دئے تھے ان کو حالات پر منطبق کرنے اور ان کے مطابق اجتماعی ڈھانچہ کھڑا کرنے کا کام خلفائے راشدین کے ہاتھوں انجام پانا تھا تاکہ اسلام کے سیاسی نظام کا بہترین نمونہ لوگوں کے سامنے آ سکے۔ اس مفہوم میں خلفائے راشدین کے طریقہ کو اختیار کرنے کی ہدایت کی گئی ہے ورنہ خلفائے راشدین کی سنت، سنت رسول سے آزاد کوئی سنت نہیں ہے جس کی پیروی کی ہدایت کی گئی ہو۔ قرآن نے علی الاطلاق اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہی کا حکم دیا ہے کہ اس لئے لازماً دوسری اطاعتیں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے تحت ہونی چاہئیں۔ قرآن میں یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ اختلاف کی صورت میں مرجع کتاب وسنت کو بناؤ اور اس سے

خلفائے راشدین بھی مستثنیٰ نہیں ہیں۔ اورکوئی شخص بھی ان کے کسی فیصلہ پر قرآن وسنت کی دلیل طلب کرنے کا مجاز ہے اور صحابۂ کرام میں بھی خلفائے راشدین کی رایوں سے اختلاف کرنے والے موجود رہے ہیں اس لئے خلفائے راشدین کی سنت کو اختیار کرنے کا جو حکم حدیث میں دیا گیا ہے اس کو اس کے محل پر رکھنا چاہئے۔

قرآن میں بنی اسرائیل کے بارے میں ارشاد ہوا ہے:

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ. (السجدہ: ۲۴)

”اور ہم نے ان میں پیشوا (قائد) پیدا کئے جو ہمارے حکم (دین) کے مطابق رہنمائی کرتے تھے جب کہ انہوں نے صبر کیا اور ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔“

بنی اسرائیل کے یہ امام اور قائد اللہ کے دین کے مطابق رہنمائی کرتے تھے۔ اسی مفہوم میں خلفائے راشدین کی رہنمائی ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ خلفاء راشدین شوریٰ کے ذریعہ منتخب ہوئے تھے جس سے شیعوں کے اس دعوے کی تردید ہوتی ہے کہ خلافت حضرت علی اور ان کی نسل کا حق ہے۔ حضرت علی کا سابق خلفاء راشدین کی خلافت کو تسلیم کرنا شیعیت کی جڑ کاٹ دیتا ہے اور حقیقت یہ ہے قرآن وسنت کی کوئی نص شیعوں کے دعوے کی تائید میں موجود نہیں ہے البتہ بعض حدیثوں کا شیعوں نے غلط مطلب نکال لیا ہے۔

دین کیا ہے

ایمان اور اسلام کی حقیقت

حدیث

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ بَارِزًا یَّوْماً لِلنَّاسِ فَاَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ مَا الْاِیْمَانُ قَالَ الْاِیْمَانُ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِکَتِهٖ وَبِلِقَآئِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَتُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ قَالَ مَا الْاِسْلَامُ قَالَ الْاِسْلَامُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ وَّلَا تُشْرِکَ بِهٖ وَ تُقِیْمَ الصَّلٰوةَ وَ تُؤَدِّیَ الزَّکٰوةَ الْمَفْرُوْضَةَ وَ تَصُوْمَ رَمَضَانَ قَالَ مَا الْاِحْسَانُ قَالَ اَنْ تَعْبُدَاللّٰهَ کَاَنَّکَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ یَرَاکَ قَالَ مَتَی السَّاعَةُ قَالَ مَا الْمَسْئُوْلُ بِاَعْلَمَ مِنَ السَّآئِلِ وَ سَاُخْبِرُکَ عَنْ اَشْرَاطِهَا اِذَا وَلَدَتِ الْاَمَةُ رَبَّهَا وَاِذَا تَطَاوَلَ رُعَاةُ الْاِبِلِ الْبُهْمِ فِی الْبُنْیَانِ . فِیْ خَمْسٍ لَّا یَعْلَمُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ تَلَا النَّبِیُّ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ اَلْاٰیَةُ ثُمَّ اَدْبَرَ فَقَالَ رُدُّوْهُ فَلَمْ یَرَوْا شَیْئًا فَقَالَ هٰذَا جِبْرِیْلُ جَآءَ یُعَلِّمُ النَّاسَ دِیْنَهُمْ . (البخاری کتاب الایمان)

ترجمه

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ ایک دن لوگوں کے پاس تشریف لائے اس وقت جبریل بھی آدمی کی شکل میں تشریف لائے اور سوال کیا کہ ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ تم اللہ، ملائکہ، اللہ سے ملاقات، اس کے رسولوں اور مرنے کے بعد اٹھائے جانے پر ایمان لاؤ۔ پوچھا اسلام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کا شریک نہ ٹھہراؤ، نماز قائم کرو، فرض زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو۔ اس نے کہا احسان (عبادت کا حسن) کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ کی اس طرح عبادت

کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو کیوں کہ اگر تم اسے دیکھ نہیں رہے ہو تو وہ تو تمہیں دیکھ ہی رہا ہے۔ جبریل نے پوچھا قیامت کب آئے گی۔ آپ نے فرمایا اس کے بارے میں جس سے سوال کیا گیا ہے وہ سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا البتہ میں آپ کو اس کی علامتوں سے باخبر کرتا ہوں۔ جب لونڈی اپنے آقا کو جنم دے گی اور جب اونٹوں کے گنوار چرواہے اونچی اونچی عمارتیں تعمیر کرکے فخر کرنے لگیں گے۔ قیامت کا علم ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس کے بعد نبی ﷺ نے آیت ان اللّٰہ عندہ علم الساعۃ (سورہ لقمان کی آخری آیت) تلاوت فرمائی۔ جب جبریل چلے گئے تو آپ نے صحابہ سے کہا کہ ان کو واپس بلاؤ لیکن وہ انہیں دیکھ نہ سکے۔ آپ نے فرمایا یہ جبریل تھے جو لوگوں کو ان کا دین سکھانے کے لئے تشریف لائے تھے۔ (بخاری کتاب الایمان)

تشریح

یہ حدیث نہایت اہم ہے اس لئے کہ اس میں جبریل علیہ السلام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مکالمہ بیان ہوا ہے۔ مختصراً یہاں چند باتوں کی وضاحت کی جاتی ہے تا کہ اس کا مفہوم اچھی طرح سمجھ لیا جائے:

حضرت جبریل آدمی کی شکل میں ظاہر ہوئے تھے جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہچان لیا تھا لیکن حاضرین مجلس کو اس وقت پتہ چلا جب کہ وہ جا چکے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت ان کو باخبر کیا۔ ان کی تشریف آوری اس غرض سے ہوئی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی حاضرین مجلس پر اور ان کے توسط سے بعد والوں پر ایمان و اسلام کی حقیقت واضح ہو اور جبریل اس کی توثیق کریں۔

ایمان کی حقیقت نبی ﷺ نے یہ فرمائی کہ اللہ، ملائکہ، اللہ سے ملاقات، اس کے رسول اور موت کے بعد اٹھائے جانے پر ایمان لایا جائے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ سوال ایمان کی تعریف (Defination) کے بارے میں نہیں تھا بلکہ اس بارے میں تھا کہ ایمان کن چیزوں پر مطلوب ہے جس سے ایمان کی حقیقت خود بخود واضح ہو جاتی ہے۔ اس میں مختصراً وہ باتیں بیان کی گئی ہیں جن پر یقین رکھے بغیر ایمان کا تصور نہیں کیا جا سکتا اور

جوایمان کے اہم ترین عنوانات ہیں۔اللہ کی کتابوں پر ایمان لانے کا علیحدہ سے ذکر نہیں ہوا لیکن یہ بات رسولوں پر ایمان لانے میں شامل ہے۔

اسلام کی حقیقت بھی آپ نے بنیادی باتوں کے ذکر سے فرمائی یعنی اللہ وحدہ کی عبادت کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراتے ہوئے نماز، زکوٰۃ اور رمضان کے روزے۔حج کا ذکر اس روایت میں نہیں ہے لیکن صحیح مسلم کی روایت میں موجود ہے۔واضح رہے کہ جب ایمان اور اسلام کا ایک ساتھ ذکر ہوتا ہے تو ایمان سے مراد عقائد ہوتے ہیں اور اسلام سے مراد عبادت واطاعت ہوتی ہے۔

احسان کے معنی یہاں اس احسان کے نہیں ہیں جو کسی پر کیا جاتا ہے بلکہ کسی کام کو بہتر طریقہ پر انجام دینا اور کسی فریضہ کو حسن وخوبی کے ساتھ ادا کرنا ہے۔ایک کام ضابطہ کی خانہ پوری کیلئے بھی کیا جاسکتا ہے لیکن اگر اس کو دل لگا کر بہتر سے بہتر طریقہ پر ادا کیا جائے تو اس میں حسن پیدا ہوتا ہے۔عبادت میں یہ حسن اسی صورت میں پیدا ہوسکتا ہے جب وہ اللہ کی طرف اس طرح متوجہ ہوکر کی جائے کہ گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے۔دل کی یہ کیفیت ہوتو عبادت میں خشوع وخضوع پیدا ہوتا ہے۔اس کیفیت کو پیدا کرنے کے لئے اللہ کی اس صفت کو مستحضر (ذہن میں موجود) رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تو بہر حال اسے دیکھ رہا ہے۔

اس سوال کا جواب قیامت کب آئے گی آپ نے یہ دیا کہ اس بارے میں آپ کا علم جبریل سے زیادہ نہیں، مطلب یہ کہ اس کا علم کسی کو بھی نہیں ہے اس سلسلہ میں آپ نے سورۂ لقمان کی آخری آیت تلاوت فرمائی جس میں پانچ باتوں کا علم اللہ کیلئے مخصوص ہونے کا ذکر ہے۔ان پانچ باتوں میں سے ایک قیامت کے وقوع کا علم بھی ہے۔البتہ آپ نے قرب قیامت میں ظاہر ہونے والی دو علامتوں کا ذکر فرمایا۔ایک یہ کہ جب لونڈی اپنے آقا کو جنے گی۔غالباً اس کے لفظی معنی مراد نہیں ہیں بلکہ استعارہ کے انداز میں ان حالات میں رونما ہونے والے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اولاد ایسی نکمی پیدا ہوگی جو اپنی ماں پر حکم چلائے گی اور اس کے ساتھ ایک لونڈی کا سا سلوک کرے گی۔موجودہ دور میں یہ چیز مشاہدہ میں آرہی ہے کہ اولاد اپنے ماں باپ کے ساتھ بدترین سلوک کررہی ہے یہاں تک کہ ان کو گالیاں بھی دے رہی ہے اور ان کی پٹائی بھی کررہی ہے۔

دوسری علامت آپ نے یہ بیان فرمائی کہ اونٹوں کے گنوار چرواہے اونچی اونچی عمارتیں بنا کر ایک دوسرے پر فخر کرنے لگیں گے۔آپ کا یہ اشارہ عرب دنیا میں ہونے والی دولت کی ریل پیل کی طرف تھا جس کا موجودہ زمانہ میں ہم مشاہدہ کررہے ہیں۔عرب کے بدّو گنوار تھے اور اونٹ ان کی زندگی کا سہارا تھا۔ان کی مفلوک الحالی کو دیکھتے ہوئے یہ گمان نہیں کیا جاسکتا تھا کہ ایک وقت آئے گا جب یہ دولت سے مالا مال ہوں گے اور معمولی مکانوں میں رہنے والے عالیشان عمارتوں میں رہنے لگیں گے۔لیکن زمانہ نے ان کی کایا پلٹ دی۔عرب کی سرزمین پر تیل کے ایسے ذخیرے نکل آئے کہ آناً فاناً ان کی دنیا بدل گئی۔دولت کی کثرت نے ان کو متمدن بنا دیا۔اب وہ گنوار نہیں رہے بلکہ تعلیم یافتہ اور مہذب بن گئے۔اور شاندار عمارتیں تعمیر کرکے ان میں رہنے لگے اور ان پر فخر کرنے لگے۔یعنی جب انہوں نے ترقی کی تو اسراف پر اتر آئے۔حدیث میں اس پہلو سے ان کی مذمت کی گئی ہے۔نبی ﷺ کی یہ پیشین گوئی موجودہ زمانہ میں حرف بحرف پوری ہوئی جو آپ کی رسالت کا بین ثبوت ہے ورنہ اس زمانہ میں کون کہہ سکتا تھا کہ بارہ تیرہ صدیاں گزر جانے پر عرب میں یہ انقلاب آئیگا۔حدیث میں اس انقلاب کو قیامت کی علامت قرار دیا گیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قیامت کا وقوع قریب تر ہوگیا ہے۔

اخلاص

حدیث

عَنْ تَمِيمِ الدَّارِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : الدِّيْنُ النَّصِيحَةُ قُلْنَا: لِمَنْ ؟ قَالَ لِلّٰهِ وَ لِكِتَابِهِ وَلِرَسُوْلِهِ وَلِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَ عَامَّتِهِمْ. (مسلم کتاب الایمان)

ترجمہ

حضرت تمیم داری سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دین سرتا سر اخلاص

ہے ہم نے پوچھا کس کے لئے فرمایا اللہ کے لئے ، اس کی کتاب کے لئے ، اس کے رسول کے لئے ، مسلمانوں کے حکمرانوں اور عامۃ المسلمین کے لئے ۔ (مسلم کتاب الایمان)

تشریح

اسلام محض ظاہرداری اور ضابطوں کی خانہ پوری کا نام نہیں ہے اور نہ وہ رسمی مذہب ہے بلکہ اس کا تعلق قلب کی گہرائیوں اور باطنی کیفیت سے ہے ۔ دین اور اخلاص لازم وملزوم ہیں ۔ ایسی دینداری جس میں اخلاص نہ ہو بے معنی ہے ۔

حدیث میں دین کو ''النصیحۃ'' سے تعبیر کیا گیا ہے اور نصیحت کے عربی میں معنی اخلاص ، خیر خواہی اور وفاداری کے ہیں پھر یہ اخلاص جس طرح مطلوب ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ : اخلاص اللہ کے لئے جس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اللہ پر مخلصانہ ایمان رکھے ۔ نفاق سے بالکل پاک ہو اور اللہ کی توحید کو اس کے صحیح تصور کے ساتھ دل سے قبول کرلے نیز وہ اللہ کو سب سے زیادہ محبوب رکھے اور اس کا وفادار بن کر رہے ۔

اخلاص اللہ کی کتاب کے لئے ، کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کے منزل من اللہ ہونے پر اسے یقین ہو ، اس کی تلاوت کا اسے شغف ہو ، اس کا فہم حاصل کرنے کی وہ کوشش کرے اور اس کی رہنمائی کو اپنی عملی زندگی میں قبول کرے ۔ اخلاص اس کے رسول کے لئے کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر اسے پورا یقین ہو ، آپ کو تمام انسانوں سے محبوب رکھے ، دل کی آمادگی کے ساتھ آپ کی اتباع کرے اور آپ کی سنت کے خلاف کوئی کام نہ کرے ۔ سورۂ توبہ میں فرمایا گیا ہے :

اِذَا نَصَحُوۡا لِلّٰهِ وَ رَسولِه

''جب کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے وفاداری کریں ۔'' (آیت ۔ ۹۱)

اخلاص مسلمانوں کے حکمرانوں کے لئے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی خیر خواہی کی جائے '' شرعی احکام کی تنفیذ اور غلبۂ دین کی جدوجہد کے معاملہ میں ان کی مدد کی جائے ۔ وہ اگر منکر کا ارتکاب کریں تو انہیں اس سے

باز رہنے کی نصیحت کی جائے اور ان کی اصلاح کی ممکنہ کوشش کی جائے ۔ ان کے خلاف علم بغاوت بلند نہ کیا جائے تاوقتیکہ وہ بہت بڑے بگاڑ کا سبب نہ بن گئے ہوں اور ان کی جگہ بہتر حکمرانوں کو لایا جاسکتا ہو ۔ مسلمانوں کی حکومت میں ایسا انقلاب لانے کے درپے ہونا جس کا نتیجہ خون خرابے کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا شرعاً جائز نہیں ۔

اخلاص عامۃ المسلمین کے لئے کا مطلب یہ ہے کہ عام مسلمانوں کی خیر خواہی کی جائے ، ان کی اصلاح کا کام پوری ہمدردی کے ساتھ کیا جائے ، خود غرض بن کر اور اپنی قیادت کو چمکانے کے لئے ان کے مفادات و مصالح کو بھینٹ نہ چڑھایا جائے ، ان کی تکلیفوں کو دور کرنے کی کوشش کی جائے اور ان کے دشمنوں کا مقابلہ ان کے ساتھ مل کر کیا جائے ۔

دین آسان ہے اس کو مشکل نہ بناؤ

حدیث

عَنۡ اَبِیۡ هُرَیۡرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اِنَّ الدِّیۡنَ یُسۡرٌ وَّ لَنۡ یُّشَادَّ الدِّیۡنَ اَحَدٌ اِلَّا غَلَبَهٗ فَسَدِّدُوۡا وَقَارِبُوۡا وَ اَبۡشِرُوۡا وَاسۡتَعِیۡنُوۡا بِالۡغُدۡوَةِ وَالرَّوۡحَةِ وَ شَیۡءٌ مِّنَ الدُّلۡجَةِ. (البخاری کتاب الایمان)

ترجمہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا : دین آسان ہے اور جو شخص بھی اس کو مشکل بنائے گا وہ مغلوب ہوگا ۔ لہٰذا درست طریقہ اور میانہ روی اختیار کرو اور خوش ہو جاؤ اور مدد لو صبح اور شام کی عبادت سے اور آخر شب کا کچھ حصہ عبادت میں گزارو ۔ (بخاری کتاب الایمان)

تشریح

اسلام جس شکل میں قرآن وسنت میں پیش کیا گیا ہے وہ آسان ہے چنانچہ اس کے احکام آسان ہیں اور وہ بوجھ نہیں ڈالا گیا ہے جو گزشتہ امتوں پر ڈال دیا گیا تھا۔ مثلاً یہود پر اس کی سرکشی کی وجہ سے سبت (سنیچر) کے نہایت سخت احکام دیئے گئے تھے لیکن امت محمد یہ کیلئے جمعہ کی نماز کا آسان حکم دیا گیا۔ اسی طرح اسلام میں رخصتیں بھی رکھ دی گئی ہیں تا کہ کوئی شخص بھی غیر معمولی مشقت میں نہ پڑے۔ اب جو شخص اس آسان دین کو مشکل بنائے گا تو دین مغلوب نہیں ہوگا بلکہ وہ خود مغلوب ہو جائے گا۔ یعنی جو مشکلات اس نے پیدا کیں ان کا وہ متحمل نہیں ہو سکے گا۔ اس لئے حدیث میں ہدایت کی گئی ہے کہ درست طریقہ اختیار کرو یعنی دین پر عمل کرنے کا وہ طریقہ اختیار کرو جو صحیح ہو اس میں اپنی طرف سے کوئی سختی پیدا نہ کرو۔ مثال کے طور پر یہ سختی کہ آدمی کسی ایک فقہی مسلک ہی کا پابند ہو کر رہ جائے اور کسی دوسرے فقہی مسلک یا دوسرے علماء کی کوئی بات جو اس کے فقہی مسلک سے مطابقت نہ رکھتی ہو قبول نہ کرے۔ ظاہر ہے یہ قید لگا کر مقلدین نے اسلام کو مشکل بنا دیا اور آسانی اور سہولت کی راہ بند کر دی ہے۔

حدیث میں دوسری ہدایت یہ دی گئی ہے کہ دین کے معاملے میں میانہ روی اختیار کرو یعنی اعتدال پر رہو۔ دین کی آسان راہ اختیار کر کے تم کسی زحمت میں نہیں پڑو گے اس لئے خوش ہو جاؤ کہ اللہ نے تمہارے لئے کیسی کیسی سہولتیں رکھ دی ہیں۔

حدیث کے اخیر میں ہدایت دی گئی ہے صبح وشام کی عبادت سے مدد لو اور اخیر شب کا کچھ حصہ عبادت میں گزارو۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی عبادت کا حکم نہیں دیا ہے کہ تم زحمت میں پڑو اور تمہارے لئے زندگی گزارنا دشوار ہو کر رہ جائے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ

''اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا۔'' (سورہ بقرہ:۱۸۵)

لوگوں کے لئے آسانی پیدا کرنا

حدیث

عَنْ سَعِيْدِ ابْنِ اَبِىْ بُرْدَةَ قَالَ سَمِعْتُ اَبِىْ قَالَ بَعَثَ النَّبِىُّ ﷺ اَبِىْ وَ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ اِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ : يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا وَ بَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا وَ تَطَاوَعَا.

(البخاری کتاب الاحکام)

ترجمہ

سعید بن ابی بردہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو کہتے ہوئے سنا کہ نبی ﷺ نے میرے والد (ابوموسیٰ) اور معاذ بن جبل کو یمن بھیجا تو فرمایا: آسانی پیدا کرو تنگی پیدا نہ کرو خوشخبری دو متنفر نہ کرو اور دونوں آپس میں موافقت کرو۔ (بخاری کتاب الاحکام)

تشریح

یہ نہایت اہم ہدایت ہے جو حاکمانہ اختیارات رکھنے والوں کیلئے بھی ہے اور دعوت وتبلیغ اور ارشاد و اصلاح کا کام کرنے والوں کے لئے بھی، ان کو چاہئے کہ دین میں جو آسانیاں رکھ دی گئی ہیں ان کو پوری طرح ملحوظ رکھیں اور اس میں شدت اور تنگی پیدا نہ کریں۔ تنگی دین کے احکام میں موشگافیاں کرنے سے پیدا ہوتی ہے اور بدعتوں کا اضافہ کرنے سے بھی دین بوجھل ہو جاتا ہے۔ عقیدۂ توحید کو اسلام نے ایسے فطری دلائل کے ساتھ پیش کیا کہ اس کو آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے لیکن بعد کے دور میں کلامی بحثوں نے کیسے کیسے مسائل پیدا کر دئے۔

دوسری ہدایت آپ نے یہ دی کہ خوشخبری سناؤ متنفر نہ کرو۔ یعنی جو لوگ دین کو قبول کریں انہیں ایمان اور عمل صالح کے نتیجہ میں ملنے والی ابدی کامیابی کی بشارت دو تا کہ ان میں مزید رغبت پیدا ہو۔ کوئی ایسی بات نہ کرو کہ وہ دین سے متنفر ہو جائیں۔

تیسری ہدایت آپ نے یہ دی کہ حضرت ابوموسیٰ اور حضرت معاذ دونوں حضرات جن کو یمن بھیجا جارہا ہے آپس میں موافقت کریں اور اختلاف سے بچیں کہ اتحاد و اتفاق کے بغیر دین کی خدمت بخوبی انجام نہیں دی جاسکتی۔ یہاں اختلاف سے مراد وہ اختلاف ہے جس کے نتیجہ میں اتحاد پارہ پارہ ہوجاتا ہے اور ایک دوسرے سے علیٰحدگی کی صورتیں پیدا ہوجاتی ہیں اس لئے حتی الامکان اتفاق کی کوشش کرنا چاہئے۔

اچھے طریقے رائج کرنا

حدیث

عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ جَاءَ نَاسٌ مِنَ الْأَعْرَابِ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَلَيْهِمُ الصُّوْفُ. فَرَاٰی سُوْءَ حَالِهِمْ قَدْ اَصَابَتْهُمْ حَاجَةٌ. فَحَثَّ النَّاسَ عَلَی الصَّدَقَةِ. فَاَبْطَؤُا عَنْهُ. حَتّٰی رُوِیَ ذٰلِکَ فِيْ وَجْهِهٖ. قَالَ: ثُمَّ اِنَّ رَجُلًا مِنَ الْاَنْصَارِ جَاءَ بِصُرَّةٍ مِنْ وَرَقٍ ثُمَّ جَاءَ آخَرُ ثُمَّ تَتَابَعُوْا حَتّٰی عُرِفَ السُّرُوْرُ فِيْ وَجْهِهٖ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهٗ، كُتِبَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا. وَلَا يَنْقُصُ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْءٌ. وَمَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً، فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهٗ، كُتِبَ عَلَيْهِ مِثْلُ وِزْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا، وَلَا يَنْقُصُ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيْءٍ. (مسلم کتاب العلم)

ترجمہ

حضرت جریر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ کچھ بدو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ کمبل اوڑھے ہوئے تھے۔ آپ نے ان کی بدحالی کو دیکھ کر کہ وہ

محتاج ہیں لوگوں کو صدقہ دینے کی ترغیب دی لیکن لوگوں نے اس میں دیر کی یہاں تک کہ آپ کے چہرہ سے افسردگی ظاہر ہونے لگی۔ پھر انصار میں سے ایک شخص نقدی کی تھیلی لے آیا۔ پھر دوسرا شخص آیا پھر تانتا بندھ گیا یہاں تک کہ آپ کے چہرہ پر خوشی کے آثار ظاہر ہوگئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اسلام میں اچھا طریقہ رائج کردے اور اس کے بعد اس پر عمل کیا جانے لگے تو اس کے لئے اتنا ہی اجر لکھا جائے گا جتنا اس پر عمل کرنے والے کو ملے گا اور جو شخص اسلام میں بُرا طریقہ رائج کردے اور اس کے بعد اس پر عمل کیا جانے لگے تو اس کے لئے اتنا ہی گناہ لکھا جائے گا جتنا اس پر عمل کرنے والوں کو ہوگا اور ان کے گناہ میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ (مسلم کتاب العلم)

تشریح

اسلام میں اچھا طریقہ رائج کرنے یہ کا مطلب نہیں ہے کہ اسلام میں بدعتیں رائج کردی جائیں اور ان کا نام بدعت حسنہ رکھا جائے جیسا کہ عام طور سے سمجھا جاتا ہے جب کہ اس حدیث کا بدعت حسنہ سے کوئی تعلق نہیں اور ہر بدعت جیسا کہ صحیح حدیث میں بیان ہوا ہے مردود ہے بلکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ شریعت کے جس حکم کو عمل میں لانے کا تعلق تدابیر سے ہو تو جو شخص پہل کرکے بہتر تدبیر اختیار کرے گا اور اس طریقہ کو دوسرے لوگ اختیار کریں گے اس کیلئے وہ اجر ہے جو مذکورہ حدیث میں بیان ہوا ہے اور اس کی مثال بھی اس حدیث میں بیان ہوئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک محتاج اور بدحال شخص پر صدقہ کرنے کی ترغیب دی تو ایک انصاری نے نقدی کی تھیلی پیش کردی اور اس کے بعد صدقہ دینے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ ظاہر ہے اس میں بدعت جیسی کوئی چیز نہیں تھی بلکہ صدقہ کے حکم کی تعمیل میں پہل کی گئی اور نقدی کی تھیلی پیش کرکے انفاق کی بہتر مثال پیش کی گئی۔ اس پر ہم دوسری چیزوں کو بھی قیاس کرسکتے ہیں بشرطیکہ ان کا تعلق شریعت کے کسی حکم کی تعمیل میں تدابیر سے ہو نہ کہ دین میں اضافہ سے۔ مثال کے طور پر قرآن کی تعلیم کا تعلق تدابیر سے ہے۔ اس کے لئے درس قرآن کا طریقہ بھی اختیار کیا جاسکتا ہے اور مطالعۂ قرآن کا بھی۔ قرآن فہمی پر مذاکرہ کی نشستیں

بھی رکھی جاسکتی ہیں اور حفظ قرآن کا بھی اہتمام کیا جا سکتا ہے ۔قرأت قرآن کے کیسیٹ بھی بنائے اور سنائے جا سکتے ہیں اور قرآن کی اہمیت اور فضیلت پر ریڈیو اور ٹی وی سے تقریریں بھی نشر کی جاسکتی ہیں ۔اسی طرح اشاعت دین کا کام تحریر کے ذریعہ بھی کیا جاسکتا ہے اور تقریر کے ذریعہ بھی ،رسائل و کتب اور لٹریچر کے ذریعہ بھی اور کیسیٹ کے ذریعہ بھی ۔ان میں سے کسی چیز کا تعلق بھی دین میں اضافہ یا بدعت سے نہیں ہے بلکہ شریعت کے منشاء کو پورا کرنے کی تدبیر سے ہے اور حکم کی نوعیت ایسی ہے جو تدبیر کی متقاضی ہے ۔

رہا اسلام میں بُرا طریقہ رائج کرنا تو اس کا اطلاق یقیناً بدعت پر بھی ہوتا ہے اور خلاف شرع طور طریقوں پر بھی ۔ بدعت کی مثال قرآن خوانی ہے جو مردوں کو ثواب پہنچانے کے لئے کی جائے اور خلاف شرع طور طریقے جو اسلام میں نکالے جائیں ان کی مثال یہ ہے کہ مسلمانوں کو جہاں اقتدار حاصل ہو وہاں وہ اسلامی حکومت قائم کرنے کی بجائے سیکولر حکومت قائم کریں اور اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ اسلام کے عائلی قوانین (Family Laws) کو تبدیل کیا جائے ۔

خودغرضی ایمان کے منافی

حدیث

عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ لَایُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ . (البخاری کتاب الایمان)

ترجمه

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

(بخاری کتاب الایمان)

تشریح

ایمان کا تقاضا ہے کہ مسلمان صرف اپنے مفاد کو نہ دیکھے بلکہ دوسروں کے مفاد کو بھی دیکھے ۔خودغرضی بہت بُرا مرض ہے اور وہ ایمان سے میل نہیں کھاتا ۔حدیث میں مؤمن ہونے کی جونفی کی گئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے شخص کا ایمان معیاری نہیں ہے اور جو اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہ چیز پسند نہیں کرتا جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

دین کیا نہیں ہے

دین میں بدعت

حدیث

عَنْ عَـآئِشَـةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ فِیْهِ فَهُوَ رَدٌّ . (البخاری کتاب الصلح)

ترجمہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص ہمارے دین میں کوئی ایسی بات پیدا کرے جو اس میں نہیں ہے تو وہ رد ہے۔

(بخاری کتاب الصلح)

تشریح

اس مختصر سی حدیث میں بہت بڑی اصولی بات بیان ہوئی ہے اور وہ یہ کہ دین میں جو نئی بات پیدا کی جائے گی وہ مردود ہے اور شرعی اصطلاح میں اس کا نام بدعت ہے۔

دین میں ایسی بات پیدا کر دینا جو اس میں سے نہیں ہے کا مطلب یہ ہے کہ جس کا نہ کوئی حکم دیا گیا ہے اور نہ وہ کسی دلیل شرعی پر مبنی ہے بلکہ لوگوں نے یا علماء نے محض اپنی خواہش سے اس بات کا دین میں اضافہ کیا ہے خواہ وہ کوئی نیک کام ہی کیوں نہ ہو۔ مثال کے طور پر ظہر کی چار رکعتیں فرض ہیں اس پر اگر کوئی شخص پانچویں رکعت کا اضافہ کرے تو گویا یہ پانچویں رکعت عبادت ہے لیکن اپنی طرف سے دین میں اضافہ ہونے کی وجہ سے بدعت ہے اور پانچ رکعتیں پڑھنے والے کی نماز سرے سے ادا ہی نہیں ہوگی۔ نصاریٰ نے رہبانیت کا جو طریقہ نکالا تھا اس کے پیچھے کوئی شرعی دلیل نہیں تھی بلکہ وہ ان کی اپنی خواہش کا نتیجہ تھا جسے قرآن نے بدعت قرار دیا۔

شرعی دلیل سے مراد وہ دلیل ہے جو شریعت میں قابل قبول ہو چنانچہ اجتہاد، قیاس اور استنباط کے دلائل

کسی اصل شرعی یا حکم شرعی پر مبنی ہوتے ہیں اور ان چیزوں کی ضرورت پیش آمدہ مسائل میں ہوتی ہے۔ لیکن جہاں کوئی مسئلہ پیدا ہوا ہی نہیں وہاں اجتہاد وغیرہ کا کیا سوال؟

اس حدیث سے یہ بات واضح ہے کہ دین میں جو بدعت بھی نکالی جائے وہ مردود ہے۔ بدعت حسنہ جیسی کوئی چیز دین میں نہیں ہے اور یہ اصطلاح بعد کی ایجاد ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج مسلمانوں میں بہت سی بدعتیں رائج ہوگئی ہیں۔ مثلاً محرم کا شربت اور کھچڑا، میلاد النبی، گیارہویں، عرس، صندل اولیاء کے مقبروں کی تعمیر، قرآن خوانی، گنبد خضرا کی طرف رخ کر کے باادب کھڑے ہونا اور دعا کرنا وغیرہ۔ مسلمان اگر گروہی اور مسلکی عصبیت سے بالاتر ہو کر مذکورہ حدیث پر غور کریں تو دین کا نکھرا ہوا تصور ان کے ذہن میں آئے اور وہ ہر قسم کی بدعتوں سے احتراز کرنے لگیں۔

سوالات کی کثرت مشکلات پیدا کرتی ہے

حدیث

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ : دَعُوْنِیْ مَاتَرَکْتُکُمْ اِنَّمَا هَلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ بِسُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰی اَنْبِیَآئِهِمْ فَاِذَا نَهَیْتُکُمْ عَنْ شَیْءٍ فَاجْتَنِبُوْهُ وَاِذَا اَمَرْتُکُمْ بِاَمْرٍ فَاْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ ۔ (البخاری کتاب الاعتصام)

ترجمہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے چھوڑ دو اس حال میں جس حال میں میں تمہیں چھوڑ دوں۔ تم سے پہلے کے لوگ سوالات اور اپنے انبیاء سے اختلافات کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔ لہٰذا جب میں تمہیں کسی چیز سے منع کروں تو اس سے باز رہو اور جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو جتنی تمہاری استطاعت ہے اتنا کرو۔ (بخاری کتاب الاعتصام)

تشریح

اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے دین کو آسان بنایا ہے اس لئے کسی ایچ پیچ کے بغیر سیدھے طریقے پر اس کی پیروی کرنا چاہئے۔ نبی ﷺ نے اپنے اصحاب کی تربیت بھی اس طرح کی تھی کہ شرعی احکام پر اپنے فہم کے مطابق عمل کرتے تھے۔ ان کا ذہن کرید نے والا نہیں تھا اور نہ وہ دین کے معاملہ میں تشدد برت کر اپنے لئے مشکلات پیدا کرتے تھے۔ تکلفات میں پڑے بغیر کسی حکم کا جو مفہوم سامنے آتا اس پر عمل پیرا ہو جاتے۔ مگر بعد میں جب عجمیوں کی کثرت ہوگئی تو سوالات قائم کر کے اور مسائل کو کرید کر دین کو مشکل بنا دیا گیا۔ اس میں فقہاء کا بھی بڑا حصہ ہے جنہوں نے شرعی احکام میں موشگافیاں کیں اور فرضی سوالات قائم کئے مثال کے طور پر یہ سوال کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کے ہاتھ کو طلاق دی تو کیا اور اس کے سر کو طلاق دی تو کیا؟ اور اگر کسی نے کہا کہ آسمان میں جتنے تارے ہیں تجھے اتنی طلاقیں تو کتنی طلاقیں واقع ہوئیں؟ یہ ذہن ہمارے فقہا کا تھا الا ماشاء اللہ جس نے ملت کے اندر تکلف اور تشدد کا مزاج پیدا کیا اور دین مشکل بن کر رہ گیا مگر یہ طریقہ صحابہؓ کرام کا نہیں تھا اس لئے اصلاح کی صورت میں یہی ہے کہ صحابہؓ کرام کا سا ذہن اور مزاج پیدا کر لیا جائے۔

قرآن میں بنی اسرائیل کے گائے ذبح کرنے کا واقعہ پیش کیا گیا ہے۔ انہیں ایک گائے کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا وہ اس حکم کو سیدھے سادے انداز میں لے لیتے اور کسی بھی گائے کو ذبح کرتے تو ان کے لئے کافی ہوتا لیکن انہوں نے اس پر طرح طرح کے سوالات قائم کئے کہ اس کی عمر کیا ہونی چاہئے اور اس کا رنگ کیسا ہونا چاہئے اور دوسری کیا خصوصیت اس میں ہونی چاہئے وغیرہ۔ نتیجہ یہ کہ ایک آسان چیز ان کے لئے مشکل بن گئی اور بہ مشکل ہی وہ اس کو ذبح کر سکے۔ سورہ بقرہ میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے جو اس بات کی طرف اہل ایمان کی رہنمائی کرتا ہے کہ جب اللہ کا کوئی حکم سامنے آجائے تو اس کی تعمیل میں بحثیں کھڑی نہ کر دی جائیں۔

مذکورہ حدیث میں نبی ﷺ نے یہی حقیقت بیان فرمائی ہے کہ گزرے ہوئے لوگوں نے جب دینی احکام میں طرح طرح کے سوالات پیدا کئے اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات میں اختلاف کیا تو وہ دین کی شاہراہ پر قائم نہیں رہ سکے اور ہلاک ہوگئے اس لئے امت مسلمہ اس سے عبرت حاصل کرے۔

اس حدیث سے یہ رہنمائی بھی ملتی ہے کہ جہاں تک ان باتوں کا تعلق ہے جن سے منع کیا گیا ہے کوشش یہ ہونی چاہئے کہ ان سے پوری طرح بچ کر رہیں۔ رہے وہ احکام جن میں کسی کام کے کرنے کی ہدایت دی گئی ہے تو کسی بحث میں پڑے بغیر اپنی استطاعت کی حد تک آدمی ان پر عمل کرے۔ مثلاً نماز کھڑے ہو کر پڑھنا چاہئے لیکن اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو لیٹے ہوئے پڑھے مگر نماز قضا نہ ہونے دے۔ ایسے بہت سے امور ہیں جن میں ایک مسلمان اگر اس نے اپنا مزاج صحیح بنالیا ہے تو کتاب وسنت کی روشنی میں اور اللہ کی بخشی ہوئی عقل سے کام لے کر خود فیصلہ کرسکتا ہے کہ مجھے فلاں حکم کی تعمیل کس طرح کرنا چاہئے۔ ہر شخص کے ساتھ ہر وقت نہ کوئی مفتی ہوسکتا ہے اور نہ اس کی ضرورت ہے۔

اللہ کے بارے میں لغو سوالات سے بچنا

حدیث

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ سَمِعْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِکٍ یَّقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ : لَنْ یَّبْرَحَ النَّاسُ یَتَسَآءَ لُوْنَ حَتّٰی یَقُوْلُوْا ھٰذَا اللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰہُ ۔ (البخاری کتاب الاعتصام)

ترجمہ

عبداللہ بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں میں نے انس بن مالک کو کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگ آپس میں برابر سوالات کرتے رہیں گے یہاں تک کہ کہیں گے یہ اللہ ہے جو ہر چیز کا خالق ہے تو اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ (بخاری کتاب الاعتصام)

تشریح

یہ سوال کہ اللہ کو کس نے پیدا کیا بالکل لغو ہے کیوں کہ اللہ جب پوری کائنات کا خالق ہے تو خالق کے مخلوق ہونے کا کیا سوال؟ خالق تو وہی ہوسکتا ہے جس کو کسی نے پیدا نہ کیا ہو اور وہ ہمیشہ سے (ازل سے) موجود ہو

اور ہمیشہ رہنے والا ہو۔ خلق کرنا (پیدا کرنا) تو اللہ کی صفت ہے اس لئے اسے مخلوق پر قیاس نہیں کیا جاسکتا اور یہ سوال بہت نامعقول بھی ہے کیوں کہ اگر یہ سمجھا جائے کہ خالق کا بھی خالق ہوسکتا ہے تو پھر یہ چکر کہیں ختم نہیں ہوگا اور خالق اور مخلوق میں کوئی فرق نہیں رہ جائے گا۔

یہ سوال دراصل وسوسۂ شیطانی ہے تاکہ انسان گمراہ ہوجائے لہٰذا ایسے سوالات کی طرف سے توجہ ہٹانی چاہئے اور شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگنا چاہئے۔

جب اسلام اجنبی ہوکر رہ جائے گا

حدیث

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بَدَأَ الْاِسْلَامُ غَرِیْباً وَسَیَعُوْدُ کَمَا بَدَأَ غَرِیْباً . فَطُوْبٰی لِلْغُرَبَاءِ . (مسلم کتاب الایمان)

ترجمہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسلام کا آغاز اجنبیت کی حالت میں ہوا اور وہ اسی حالت میں لوٹے گا جس حالت میں اس کا آغاز ہوا تھا۔ تو مبارکباد ہے اجنبیوں کے لئے۔ (مسلم کتاب الایمان)

تشریح

نبی ﷺ نے آغاز رسالت میں جب اسلام کی دعوت پیش کی تو اس ماحول میں اسلام ایک اجنبی دین تھا۔ لوگ توحید، آخرت اور رسالت کے تصور سے ناآشنا تھے اور من مانے طریقہ پر زندگی گزارتے تھے۔ رفتہ رفتہ لوگ اسلام قبول کرتے رہے یہاں تک کہ وہ پورے عرب پر چھا گیا اور پھر دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیل گیا۔

اس کے بعد نبی ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق اسلام پر ایک دور ایسا بھی آنے والا ہے جب وہ پھر اجنبی بن کر رہ جائے گا۔اس پیشین گوئی کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں چنانچہ مسلمانوں کی دنیا میں کثیر تعداد میں ہونے کے باوجود اسلام کی حقیقت روز بروز نظروں سے اوجھل ہوتی جارہی ہے۔اخلاقی وعملی بگاڑ اتنے بڑے پیمانہ پر رونما ہو گیا ہے کہ توحید کے صحیح تصور سے لوگ نا آشنا ہوتے جارہے ہیں، آخرت کی جوابدہی کا تصور دھندلا پڑتا جارہا ہے، رسول کی سنت کی جگہ بدعات نے لے لی ہے اور ضعیف اور موضوع روایتوں نے دین کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ان حالات میں جو لوگ بتوفیق الٰہی قرآن وسنت کے صحیح معنی میں متبع بنتے ہیں اور دین کو اس کی اصل شکل میں نکھار کر پیش کرتے ہیں ان کو عام مسلمان ہی نہیں، بے بصیرت علماء بھی حیرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان کی دینداری کو مشتبہ سمجھتے ہیں۔اس طرح حقیقی اسلام کیلئے اجنبیت روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔مگر جو لوگ حقیقی اسلام پر کاربند رہیں گے اور دین کو ہر قسم کی حاشیہ آرائی سے پاک اور بالکل نکھار کر پیش کریں گے وہ بڑے سعادت مند لوگ ہوں گے جن کو اس حدیث رسول میں مبارکباد دی گئی ہے۔

جن باتوں کا حکم دیا گیا ہے وہ نہ کرنا اور جن کا نہیں دیا گیا ہے وہ کرنا

حدیث

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ : مَا مِنْ نَبِیٍّ بَعَثَہُ اللّٰہُ فِیْ اُمَّـۃٍ قَبْلِیْ ، اِلَّا کَانَ لَہٗ مِنْ اُمَّتِہٖ حَوَارِیُّوْنَ وَاَصْحَابٌ یَأْخُذُوْنَ بِسُنَّتِہٖ وَیَقْتَدُوْنَ بِاَمْرِہٖ . ثُمَّ اِنَّھَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِھِمْ خُلُوْفٌ .یَقُوْلُوْنَ مَالَا یَفْعَلُوْنَ . وَیَفْعَلُوْنَ مَالَا یُؤْمَرُوْنَ فَمَنْ جَاھَدَھُمْ بِیَدِہٖ فَھُوَ مُؤْمِنٌ . وَمَنْ جَاھَدَھُمْ بِلِسَانِہٖ فَھُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاھَدَھُمْ بِقَلْبِہٖ فَھُوَ مُؤْمِنٌ. وَلَیْسَ وَرَاءَ ذٰلِکَ مِنَ الْاِیْمَانِ حَبَّۃُ خَرْدَلٍ .

(مسلم کتاب الایمان)

ترجمہ

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے مجھ سے پہلے جس نبی کو بھی بھیجا اس کی امت میں اس کے حواری (مخلص رفقاء) اور اصحاب رہے ہیں جو اس نبی کی سنت کو قبول کرتے اور اس کے احکام کی پیروی کرتے رہے ہیں۔ پھر ان کے بعد ایسے ناخلف لوگ پیدا ہوتے رہے جو وہ باتیں کہتے جو کرتے نہیں اور وہ کام کرتے جن کا حکم انہیں نہیں دیا گیا۔تو جو شخص ان سے اپنے ہاتھ سے لڑے وہ مؤمن ہے اور جو شخص اپنی زبان سے لڑے وہ بھی مؤمن ہے اور جو شخص اپنے دل سے لڑے وہ بھی مؤمن ہے۔اس کے بعد رائی کے دانہ کے برابر ایمان باقی نہیں رہتا۔ (مسلم کتاب الایمان)

تشریح

اس امت میں بھی ایسے ناخلف لوگ بہ کثرت پیدا ہو گئے ہیں جو وہ باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں اور وہ کام کرتے ہیں جن کا انہیں حکم نہیں دیا گیا۔وہ اسلام کے نام پر لفاظی کرتے ہیں اور اپنے کو اس کا علمبردار ظاہر کرتے ہیں لیکن خود عمل میں کورے۔البتہ ان کاموں میں ضرور پیش پیش رہتے ہیں جن کا انہیں حکم نہیں دیا گیا۔

وہ نیاز فاتحہ کی رسمیں بڑے اہتمام سے ادا کریں گے، قرآن خوانی کی مجلسیں کریں گے، بزرگوں کی ولادت کے دن منائیں گے، درگاہوں کو مرجع بنائیں گے اور عرس اور صندل کا اہتمام کریں گے۔ یہ اور اس قسم کی دیگر بدعات وخرافات پر سختی سے عمل پیرا ہوں گے لیکن جن کاموں کا انہیں حکم دیا گیا ہے ان سے غفلت برتیں گے مثلاً نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی، قرآن کو پڑھنا، سمجھنا اور اس پر عمل کرنا، معروف کا حکم دینا اور منکر سے روکنا وغیرہ۔

ایسے بداطوار لوگوں سے واسطہ پڑے تو ایک مسلمان کو چاہئے کہ ان کو گوارا نہ کرے بلکہ برائی کو دور کرنے کی عملاً کوشش کرے لیکن اگر حالات اس کی اجازت نہ دیتے ہوں تو برائی کے خلاف آواز اٹھائے لیکن اگر حالات سنگین ہوں اور ایسے لوگوں کو برائی سے منع بھی نہ کیا جاسکتا ہو تو کم از کم اپنے دل میں ان لوگوں کو برا جانے اور ان کی پھیلائی ہوئی برائیوں اور خلاف شرع باتوں سے نفرت کرے کہ یہ ایمان کا تقاضا ہے ورنہ ایمان باقی نہیں رہ سکتا۔

فتنوں سے خبردار

حدیث

عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتِ اسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ مَاذَا اُنْزِلَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْفِتَنِ وَمَاذَا فُتِحَ مِنَ الْخَزَائِنِ اَيْقِظُوْا صَوَاحِبَ الْحُجَرِ فَرُبَّ كَاسِيَةٍ فِى الدُّنْيَا عَارِيَةٌ فِى الْآخِرَةِ. (البخاری کتاب العلم)

ترجمہ

حضرت ام سلمہ کہتی ہیں کہ ایک رات نبی ﷺ بیدار ہوئے اور فرمایا: سبحان اللہ! کیسے فتنے ہیں جو آج رات نازل ہوئے اور کیسے خزانے ہیں جو کھول دیئے گئے! حجرہ والوں کو جگاؤ کیوں کہ کتنی ہی عورتیں دنیا میں لباس پہنے ہوئے ہوں گی لیکن آخرت میں برہنہ ہوں گی۔(بخاری کتاب العلم)

تشریح

انبیاء علیہم السلام کے خواب وحی ہوتے ہیں اس لئے بالکل سچے ثابت ہوتے ہیں۔ نبی ﷺ کی مذکورہ حدیث آپ کے خواب کی ترجمان ہے اس میں آپ نے ان فتنوں کی طرف اشارہ فرمایا جو آپ کے بعد قریبی دور میں رونما ہونے والے تھے چنانچہ خلیفۂ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت امت کے لئے فتنوں کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ ساتھ ہی آپ نے اس خیر کی طرف بھی اشارہ فرمایا جو اس امت کو عنقریب حاصل ہونے والا تھا چنانچہ صحابہ ہی کے دور میں اس امت کو عظیم فتوحات حاصل ہوئیں اور وہ بڑے بڑے خزانوں کی مالک ہوگئی۔ یہ اس امت کے لئے خیر کا پہلو تھا لیکن اس میں بھی آزمائش تھی کہ دولت کی کثرت اپنے ساتھ جو ذمہ داریاں لاتی ہے ان کو یہ امت کس طرح ادا کرتی ہے۔

حجرہ والیوں سے آپ کی مراد آپ کی محترم ازواج تھیں۔ آپ نے ام سلمہ سے فرمایا کہ ان کو جگاؤ تاکہ وہ

تہجد کی نماز پڑھیں اور اپنے کو آخرت کی کامیابی کا مستحق بنائیں۔ دنیا دار عورتوں سے ہوشیار رہیں جو دنیا میں اچھا اچھا لباس تو زیب تن کر لیتی ہیں لیکن آخرت سے بے پرواہ ہونے کی وجہ سے قیامت کے دن خالی ہاتھ رہیں گی اور برہنہ ہوں گی۔ خوش قسمت ہیں وہ عورتیں جو اپنی نجات کی فکر کریں۔

جب کٹر جاہل دینی رہنما بن کر سامنے آئیں گے

حدیث

عَنْ عُرْوَةَ قَالَ حَجَّ عَلَيْنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ سَمِعْتُ النَّبِىَّ ﷺ يَقُوْلُ : اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْزِعُ الْعِلْمَ بَعْدَ اَنْ اَعْطَاهُمُوْهُ اِنْتِزَاعاً، وَلٰكِنْ يَنْتَزِعُهُ مِنْهُمْ مَعَ قَبْضِ الْعُلَمَآءِ بِعِلْمِهِمْ فَيَبْقٰى نَاسٌ جُهَّالٌ يُسْتَفْتُوْنَ فَيُفْتُوْنَ بِرَأْيِهِمْ فَيُضِلُّوْنَ وَ يَضِلُّوْنَ. (البخاری کتاب الاعتصام)

ترجمہ

عروہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو حج کر کے ہمارے پاس سے گزرے تو میں نے ان کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ علم عطاء کرنے کے بعد اس کو اسی شکل میں سلب نہیں کرے گا بلکہ علماء کو ان کے علم کے ساتھ قبض کر کے علم کو سلب کرے گا۔ پھر کٹر جاہل لوگ رہ جائیں گے جن سے فتویٰ پوچھا جائے گا اور وہ اپنی رائے سے فتویٰ دیں گے۔ وہ لوگوں کو گمراہ کریں گے اور خود بھی گمراہ ہوں گے۔(بخاری کتاب الاعتصام)

تشریح

اللہ کے فضل سے امت مسلمہ کسی زمانہ میں بھی علماء سے محروم نہیں رہی اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اشارہ قرب قیامت کی طرف ہے جب دنیوی علوم کا غلبہ ہوگا اور علم دین کی ناقدری ہوگی۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ علماء کو اٹھالے گا یعنی ان کا وجود رفتہ رفتہ ختم ہو جائے گا۔ اس حالت میں جب دینی مسائل پیدا ہوں گے تو ان

کیلئے جاہل رہنماؤں کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ یہ جاہل رہنماء جاہل قسم کے علماء بھی ہوسکتے ہیں مثلاً شرک اور بدعت وخرافات کو دینداری سمجھنے والے علماء اور تعویذ گنڈے اور ٹونا ٹوٹکا سکھانے والے باوا۔ ایسے لوگوں سے جب دین کی بابت پوچھا جائے گا تو وہ جب کہ خود گمراہ ہیں پوچھنے والوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

اپنی رائے سے فتویٰ دینے کا مطلب اصطلاحی فتوے کی حد تک محدود نہیں ہے بلکہ وسیع تر معنی میں دین کے بارے میں کئے جانے والے سوالات کا کتاب وسنت کی رہنمائی کے بغیر محض اپنی رائے سے جواب دینا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ دین کے معاملے میں کتاب وسنت کے علم کے بغیر محض اپنی رائے سے جواب دینا کتنی سنگین بات ہے!

گمراہ قوموں کے نقش قدم پر چلنا

حدیث

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ ، وَذِرَاعاً بِذِرَاعٍ . حَتّٰی لَوْ دَخَلُوْ فِیْ جُحْرِ ضَبٍّ لَاتَّبَعْتُمُوْهُمْ قُلْنَا: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰیٰ ؟ قَالَ فَمَنْ ؟ (مسلم کتاب العلم)

ترجمہ

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اگلی امتوں کے طور طریقوں پر چلو گے بالشت برابر بالشت کے اور ہاتھ برابر ہاتھ کے۔ یہاں تک کہ اگر وہ کسی گوہ کے بل میں گھسے تھے تو تم بھی گھسو گے۔ ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا یہود ونصاریٰ مراد ہیں؟ آپ نے فرمایا: اور کون! (مسلم کتاب العلم)

تشریح

نبی ﷺ کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔ مسلمانوں کا آج کیا حال ہے۔ ان کی بہت بڑی تعداد یہود ونصاریٰ کے نقش قدم پر ہے۔ یہود کتاب الٰہی کے حامل ہونے کے باوجود فسق وفجور میں مبتلا ہو گئے تھے۔ مسلمانوں کی اکثریت بھی فسق وفجور میں مبتلا ہے۔ انہوں نے کتاب الٰہی کو پسِ پشت ڈال دیا تھا اور جادو اور ٹونے ٹوٹکے کے پیچھے پڑ گئے تھے۔ مسلمانوں کی بھی ایک تعداد ٹونے ٹوٹکے پر یقین رکھتی ہے اور باواؤں کے پیچھے چلتی ہے۔ یہود نے اپنے دین کو رسمی مذہب بنا لیا تھا اور دین کی حقیقت سے نا آشنا ہو گئے تھے۔ مسلمانوں کا حال بھی اس سے مختلف نہیں ہے۔ یہود نے فقہی موشگافیاں کر کے شریعت میں تنگی پیدا کر لی تھی۔ مسلمانوں نے بھی اپنے آسان دین کو فقہی موشگافیوں کے ذریعہ مشکل بنا دیا ہے۔ یہود حرام کا مال کھانے میں جری ہو گئے تھے۔ مسلمانو میں بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو حرام مال کھانے میں ڈھیٹ ہیں۔

مسلمانوں میں بکثرت لوگ نصاریٰ کے نقش قدم پر بھی ہیں۔ انہوں نے کفارہ کا عقیدہ ایجاد کر کے گناہوں پر آخرت میں ملنے والی سزا کے عقیدہ کو معطل کر دیا تھا تو مسلمانوں نے شفاعت کا غلط تصور رائج کر کے جزائے عمل کے عقیدہ کو معطل کر دیا۔ نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کے بارے میں غلو کیا تو مسلمانوں نے نبی ﷺ کی شخصیت کے بارے میں غلو کیا۔ چنانچہ آپ کو حاضر ناظر جاننے لگے۔ نصاریٰ نے ترک دنیا کا طریقہ ایجاد کیا تھا تو مسلمانوں کے ایک گروہ نے زہد وتقشف کے طریقے تصوف کے نام سے رائج کئے جو کتاب وسنت سے مناسبت نہیں رکھتے۔ نصاریٰ بدعات میں پڑ گئے اور مسلمان بھی بدعات وخرافات میں مبتلا ہو گئے الا ماشاء اللہ۔

تعجب ہے کہ قرآن وسنت کی روشنی موجود ہوتے ہوئے مسلمانوں کی بڑی تعداد بھٹک رہی ہے!

کسی مسلمان کو کافر کہنا

حدیث

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ اَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ يَقُوْلَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَيُّمَا امْرِىءٍ قَالَ لِاَخِيْهِ : يَا كَافِرُ . فَقَدْ بَاءَ بِهَا اَحَدُهُمَا. اِنْ كَانَ كَمَا قَالَ . وَ اِلَّا رَجَعَتْ عَلَيْهِ . (مسلم کتاب الایمان)

ترجمه

عبداللہ بن دینار سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عمر کو کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے بھائی کو کافر کہہ کر پکارے تو دونوں میں سے ایک پر اس کی زد پڑے گی۔ اس نے جس کو کافر کہا ہے وہ اگر ایسا ہے تو ٹھیک ورنہ یہ بات کہنے والے پر لوٹ آئے گی۔ (مسلم کتاب الایمان)

تشریح

یہ حدیث متنبہ کرتی ہے کہ کسی مسلمان کو کافر کہنا کوئی معمولی بات نہیں ہے بلکہ اتنی سنگین ہے کہ اگر وہ اس قول کا مستحق نہیں ہوا تو کہنے والے پر وہ قول لوٹ آئے گا اس لئے کسی مسلمان کی تکفیر کے معاملہ میں محتاط رہنا چاہئے۔

اس ہدایت کے باوجود افسوسناک صورت حال یہ ہے کہ کتنے ہی علماء ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں اور مسلمانوں کے درمیان تفرقہ ڈالتے ہیں۔ یہ ان کی گروہی عصبیت اور شدت پسندی کا نتیجہ ہے۔

فہم دین اور اجتہاد

دین کا فہم اللہ کی بہت بڑی دین ہے

حدیث

عَنِ ابْنِ شِهَابٍ اَخْبَرَنِی حُمَیْدٌ قَالَ سَمِعْتُ مُعَاوِیَةَ بْنَ اَبِی سُفْیَانَ یَخْطُبُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ مَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَیْرًا یُّفَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ .

(البخاری کتاب الاعتصام)

ترجمہ

ابن شہاب کہتے ہیں مجھے حمید نے خبر دی وہ کہتے ہیں میں نے معاویہ ابن ابی سفیان کو خطبہ دیتے ہوئے سنا۔وہ کہہ رہے تھے کہ نبی ﷺ کو میں نے فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ جس کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے اسے دین میں تفقہ (سمجھ) عطا فرماتا ہے ۔(بخاری کتاب الاعتصام)

تشریح

دین میں تفقہ یعنی اس کی سمجھ اللہ کی بہت بڑی بخشش ہے کیوں کہ اس سے ایک مسلمان کا تصور دین بھی صحیح ہوتا ہے اور طرز عمل بھی صحیح ۔اس سے اس پر دین کی حکمتیں بھی روشن ہوتی ہیں اور احکام کے مصالح بھی ۔وہ دین کی روح سے آشنا ہو جاتا ہے اس لئے جو بھی کام کرتا ہے صحیح دینی اسپرٹ میں کرتا ہے ۔علاوہ ازیں وہ لوگوں کی رہنمائی بھی صحیح طور سے کرتا ہے اور ان پر دین کی حقیقت واضح کرتا ہے ۔دین کا یہ فہم اللہ تعالیٰ اسی کو عطا کرتا ہے جس کے لئے بھلائی چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھلائی اسی کے لئے چاہتا ہے اور خیر سے اسی کو نوازتا ہے جو واقعی دین کا فہم حاصل کرنا چاہتا ہو اور اپنی رائے اور اپنی خواہشات کے پیچھے نہ چلتا ہو بلکہ دین کی مخلصانہ پیروی کرتا ہو۔

دین میں تفقہ ایسی چیز ہے جو کتنے ہی علماء کو حاصل نہیں ہوتی کیوں کہ وہ کھلے اور صاف ذہن سے دین

کا مطالعہ نہیں کرتے ۔ان کا ذہن گروہی یا مسلکی تعصبات کی بنا پر حق کو حق کی شکل میں دیکھنے کے لئے آمادہ نہیں رہتا ۔ایسے متاثر ذہن (Prejudiced Mind) رکھنے والے شخص میں دین کی سمجھ کا پیدا ہونا مشکل ہے۔

اجتہاد کی قدر افزائی

حدیث

عَنْ عَمْرِوبْنِ الْعَاصِ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ اِذَا حَکَمَ الْحَاکِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ اَصَابَ فَلَهٗ اَجْرَانِ وَاِذَا حَکَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ اَخْطَأَ فَلَهٗ اَجْرٌ .

(البخاری کتاب الاعتصام)

ترجمہ

عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب حاکم فیصلہ کرتا ہے جس میں وہ اجتہاد کرتا ہے اور اس کا فیصلہ صحیح ہوتا ہے تو اس کے لئے دو اجر ہیں اور جب وہ فیصلہ کرنے میں اجتہاد کرتا ہے اور اس کے بعد اس سے غلطی ہوتی ہے تو اس کے لئے ایک اجر ہے۔ (بخاری کتاب الاعتصام)

تشریح

اجتہاد کا مطلب پیش آمدہ مسئلہ میں جس میں قرآن و سنت کا صریح حکم موجود نہیں ہے شرعی دلائل کی روشنی میں یہ معلوم کرنے کی پوری پوری کوشش کرنا کہ اس کا شرعی حکم کیا ہے قرآن و سنت سے اقرب کیا بات ہے اس کے لئے کسی شرعی حکم کی علت معلوم کر کے پیش آمدہ مسئلہ میں بھی اسی علت کے ہونے کی بنا پر اس شرعی حکم کو اس پر منطبق کرنا ہے مثال کے طور پر جوئے کی حرمت کو علت کی یکسانیت کی بنا پر لاٹری پر چسپاں کرنا ۔اسی طرح کسی شرعی حکم سے استنباط کر کے اس کی تفصیلات متعین کرنا مثلاً شوریٰ کے حکم سے استنباط کر کے جمہوریت کے

ان طور طریقوں کو جائز قرار دینا جو شورائیت سے مناسبت رکھتے ہیں اور جو موجودہ دور میں رائج ہیں یا رائج کئے جا سکتے ہیں۔ ووٹ کا استعمال، ملک کے سربراہ کا انتخاب، پارلیمنٹ کے فیصلوں کے لئے قواعد وضوابط وغیرہ۔ اجتہاد سطحی رائے کے اظہار کا نام نہیں ہے بلکہ غور وفکر کر کے مسئلہ کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کرنے اور اس کے مطابق شریعت کا حکم معلوم کرنے کی جدوجہد ہے۔ اس لئے یہ کام وہی لوگ انجام دے سکتے ہیں جو قرآن و سنت کا براہِ راست اور گہرا علم رکھتے ہوں۔ حدیث میں حاکم سے مراد فیصلہ کرنے والا ہے خواہ وہ عدلیہ کا فیصلہ ہو یا ذمہ دارانِ حکومت کا فیصلہ یا اجتہادی مسائل میں علماء اور مفتیوں کے فیصلہ اور فتوے۔

اگر اجتہاد کرنے والے کا فیصلہ اللہ کے نزدیک درست ہوتا ہے تو وہ دوہرے اجر کا مستحق قرار پاتا ہے۔ ایک اجر شرعی حکم معلوم کرنے کے لئے صحیح طریقہ پر اپنی بس بھر کوشش کرنے اور دوسرا اجر درست فیصلہ کرنے کا۔ لیکن اگر اجتہاد کرنے والا ایسا فیصلہ کرتا ہے جو اللہ کے نزدیک غلط ہے تو بھی وہ ایک اجر کا مستحق ہے کیوں کہ اس نے صحیح نتیجہ پر پہنچنے کی پوری پوری کوشش کی۔ اس سے اسلام کی اس وسعت کا اندازہ ہوتا ہے جو اس نے نئے پیدا ہونے والے مسائل کے سلسلہ میں رکھی ہے اور اس میں تنگی نہیں رکھی۔ اجتہاد کی اس قدر افزائی اور حوصلہ افزائی کے پیش نظر اجتہادی مسائل میں مسلمانوں کو رواداری اختیار کرنا چاہئے۔ ایسے مسائل کو حق و باطل کا مسئلہ بنا کر ایک دوسرے کی مخالفت کرنا، باہمی کشمکش پیدا کرنا، اسلام کی عطاء کردہ وسعت کو تنگی میں بدل دینا ہے۔ اس حدیث سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اسلام نے اجتہاد کا دروازہ کھلا رکھا ہے لہٰذا کسی کو حق نہیں ہے کہ وہ اس دروازہ کو بند کر دے۔

اجتہادی اختلاف کو گوارا کر لینا چاہئے

حدیث

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ لَنَا لَمَّا رَجَعَ مِنَ الْاَحْزَابِ لَا یُصَلِّیَنَّ اَحَدُ، الْعَصْرَ اِلَّا فِیْ بَنِیْ قُرَیْظَۃَ فَاَدْرَکَ بَعْضُھُمُ الْعَصْرَ فِی الطَّرِیْقِ وَقَالَ بَعْضُھُمْ بَلْ نُصَلِّیْ لَمْ یُرِدْمِنَّا ذٰلِکَ فَذَکَرَ ذٰلِکَ لِلنَّبِیِّ ﷺ فَلَمْ یُعَنِّفْ اَحَدًا مِّنْھُمْ ۔

(البخاری کتاب صلوٰۃ الخوف)

ترجمہ

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے غزوۂ احزاب سے واپسی کے موقع پر ہم سے فرمایا تم میں سے کوئی شخص بھی عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنی قریظہ ہی میں۔ اس کے بعد بعض لوگوں نے عصر کا وقت راستہ ہی میں پالیا تو بعض لوگ کہنے لگے ہم وہاں پہنچ کر ہی نماز پڑھیں گے اور کچھ لوگوں نے کہا ہم ابھی نماز پڑھ لیں گے کیوں کہ آپ کا منشاء یہ نہیں تھا کہ ہم نماز قضا کر لیں۔ بعد میں جب نبی ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا گیا تو آپ نے کسی کو بھی سخت سست نہیں کہا۔ (بخاری کتاب صلوٰۃ الخوف)

تشریح

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بنی قریظہ میں نماز عصر ادا کرنے کی ہدایت کی تھی تا کہ وہ وہاں پہنچنے میں جلدی کریں اور بنی قریظہ کے خلاف جلد جنگی کارروائی شروع کی جا سکے کیوں کہ انہوں نے جنگ خندق کے موقع پر جس سے ابھی ابھی نبی ﷺ فارغ ہوئے تھے دھوکہ دیا تھا۔ اتفاق سے راستہ میں نماز عصر کا وقت ہو گیا اور احتمال ہوا کہ بنی قریظہ پہنچنے تک نماز قضا ہو جائے گی اس لئے بعض صحابہ کی رائے یہ ہوئی کہ نماز راستہ

میں پڑھ لینا چاہئے اور بعض کی رائے یہ ہوئی کہ آپ کی ہدایت کے مطابق بنی قریظہ پہنچ کر ہی نماز عصر ادا کی جائے خواہ قضا کرنا پڑے۔ چنانچہ ہر ایک نے اپنی رائے کے مطابق عمل کیا اور بعد میں جب نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے کسی پر بھی اعتراض نہیں کیا مطلب یہ ہے کہ آپ نے دونوں باتوں کو گوارا کیا جس سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ اجتہادی امور میں وسعت اور رواداری ہونی چاہئے۔ ارشاد رسول کا مفہوم متعین کرنے میں راویوں کا اختلاف ہوسکتا ہے اس بنا پر ایک دوسرے کو مطعون کرنا صحیح نہیں۔

کتنی حدیثیں ہیں جن کی تعبیر میں امت کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے جس کو گوارا کر لینا چاہئے اس اختلاف کی بنا پر ایک دوسرے پر انکار حدیث کا الزام لگانا صحیح نہیں۔

نیکی اور بدی کی پہچان

حدیث

عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ ، اَنَّ رَجُلاً سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ عَنِ الْبِرِّ وَالْاِثْمِ ، فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ : اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ ، وَالْاِثْمُ مَا حَاکَ فِی نَفْسِکَ وَ کَرِھْتَ اَنْ یَّطَّلِعَ النَّاسُ عَلَیْہِ . (الترمذی ابواب الزھد)

ترجمہ

حضرت نواس بن سمعان سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے بر (نیکی) اور گناہ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: بر (نیکی) حسن اخلاق ہے اور گناہ وہ ہے جو تمہارے دل میں کھٹک پیدا کرے اور لوگوں کے اس پر مطلع ہونے کو نا پسند کرو۔
(الترمذی ابواب الزہد)

تشریح

اس حدیث میں نیکی اور بدی کی پہچان بتائی گئی ہے۔ نیکی کی خصوصیت یہ ہے کہ اس سے اخلاق میں حسن

پیدا ہوتا ہے اس لئے اس کا آدمی کی اپنی نفسیات پر اچھا اثر پڑتا ہے بخلاف اس کے بدی یعنی گناہ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ دل میں کھٹک پیدا کرتی ہے اور آدمی پسند نہیں کرتا کہ لوگوں کو اس کی اطلاع ہو جائے۔

آدمی بار ہا ایسی صورتحال سے دوچار ہوتا ہے کہ فلاں کام کروں یا نہ کروں۔ اس کام کے کرنے میں اسے کھٹک محسوس ہوتی ہے اور یہ خیال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر لوگوں کو یہ بات معلوم ہوئی تو وہ اسے برا سمجھیں گے۔ یہ علامت ہے اس بات کی کہ وہ کام صحیح نہیں ہے اس لئے ایسے کاموں سے بچنا چاہئے۔

عدلیہ کا فیصلہ ظاہر کے اعتبار سے ہوتا ہے

حدیث

عَنِ ابْنِ شِھَابٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ عُرْوَۃُ بْنُ الزُّبَیْرِ اَنَّ زَیْنَبَ ابْنَۃَ اَبِیْ سَلَمَۃَ اَخْبَرَتْہُ اَنَّ اُمَّ سَلَمَۃَ زَوْجَ النَّبِیِّ ﷺ اَخْبَرَتْھَا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ اَنَّہٗ سَمِعَ خُصُوْمَۃً بِبَابِ حُجْرَتِہٖ فَخَرَجَ اِلَیْھِمْ فَقَالَ : اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ وَّاِنَّہٗ یَاتِیْنِی الْخَصْمُ فَلَعَلَّ بَعْضَکُمْ اَنْ یَّکُوْنَ اَبْلَغَ مِنْ بَعْضٍ فَاَحْسِبُ اَنَّہٗ صَادِقٌ فَاَقْضِیْ لَہٗ بِذٰلِکَ فَمَنْ قَضَیْتُ لَہٗ بِحَقِّ مُسْلِمٍ فَاِنَّمَا ھِیَ قِطْعَۃٌ مِّنَ النَّارِ فَلْیَاْخُذْھَا اَوْ لِیَتْرُکْھَا .

(البخاری کتاب الاحکام)

ترجمہ

ابن شہاب کہتے ہے کہ مجھے عروہ بن زبیر نے خبر دی کہ زینب بنت ابی سلمہ نے انہیں خبر دی کہ ام سلمہ زوج النبی ﷺ نے انہیں خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے حجرہ کے دروازہ پر جھگڑے کی آواز سنی تو آپ باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ میں ایک بشر ہوں اور میرے پاس لوگ قضیہ لے کر آتے ہیں اور ہوسکتا ہے کہ بعض بعض کے مقابلہ میں چرب زبان ہوں اور میں ایسے کسی شخص کو سچا سمجھ کر اس کے حق میں فیصلہ دیدوں۔ تو جس کو میں نے

اس طرح کسی مسلمان کا حق دے دیا تو وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہوگا۔اب اسے وہ لے لے یا چھوڑ دے۔(بخاری کتاب الاحکام)

تشریح

اسلامی عدلیہ کے فیصلے بھی ظاہری اعتبار ہی سے ہوتے ہیں یعنی جو دلائل وشواہد اس کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں ان کی بنا پر فیصلہ کیا جاتا ہے۔ باطن کا حال کسی قاضی اور کسی جج کو معلوم نہیں ہوتا۔اسلئے اگر عدلیہ نے کسی کو حق دلوایا ہو لیکن حقیقتاً وہ اس کا حق نہ ہو تو اس کے لئے عدلیہ کا فیصلہ اس حق کو صرف قانونی طور پر جائز قرار دیتا ہے۔حقیقت کے اعتبار سے نہیں کیوں کہ اللہ کے نزدیک حقیقت کا اعتبار ہے نہ کہ ظاہری فیصلہ کا۔

اس حقیقت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے فیصلہ کو پیش کر کے واضح فرمایا کہ اگر آپ بھی عدالتی کارروائی کے بعد کسی کو زمین کا ایک ٹکڑا دیدیں اس بنا پر کہ اس کے دلائل وشواہد میں قوت تھی لیکن حقیقتاً وہ اس کا ٹکڑا نہیں تھا تو یہ آگ کا ٹکڑا ہوگا۔اس کو لینے کے لئے کوئی وجہ جواز نہیں ہے۔

موجودہ زمانہ میں اس بات کا چلن عام ہے کہ بعض مصالح یا ٹیکس وغیرہ سے بچنے کے لئے کوئی جائداد اپنے رشتہ داروں میں سے کسی کے نام قانونی طور سے منتقل کی جاتی ہے لیکن اس کو اس کا مالک نہیں بنایا جاتا لہٰذا شرعاً وہ اس کا مالک نہیں ہوتا بلکہ یہ منتقل کرنے والے کی امانت ہوتی ہے اور اگر اس کا انتقال ہو جائے تو اس کے ورثاء اس کے مالک قرار پاتے ہیں۔مگر بیشتر لوگ قانونی فائدہ اٹھا کر اس جائداد کو ہڑپ کر جاتے ہیں جو بڑے گناہ کا باعث ہے۔

خواب اور شریعت

عالم برزخ کی ایک جھلک

حدیث

قَالَ سَمُرَةُ بْنُ جُنْدُبٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مِمَّا یُکْثِرُ اَنْ یَّقُوْلَ لِاَصْحَابِہٖ ھَلْ رَایٰ اَحَدٌ مِّنْکُمْ مِنْ رُّؤْیَا ؟ قَالَ فَیَقُصُّ عَلَیْہِ مَنْ شَآءَ اللّٰہُ اَنْ یَّقُصَّ وَاِنَّہٗ قَالَ ذَاتَ غَدَاۃٍ : اِنَّہٗ اَتَانِی اللَّیْلَۃَ اٰتِیَانِ وَاِنَّھُمَا ابْتَعَثَانِیْ وَاِنَّھُمَا قَالَا لِیَ انْطَلِقْ وَاِنِّیْ انْطَلَقْتُ مَعَھُمَا، وَاِنَّا اَتَیْنَا عَلٰی رَجُلٍ مُّضْطَجِعٍ وَاِذَا اٰخَرُ قَائِمٌ عَلَیْہِ بِصَخْرَۃٍ وَّ اِذَا ھُوَ یَھْوِیْ بِالصَّخْرَۃِ لِرَاسِہٖ فَیَثْلَغُ رَاسَہٗ فَیَتَدَ ھْدَہُ الْحَجَرُ ھٰھُنَا فَیَتْبَعُ الْحَجَرَ فَیَاْخُذُہٗ فَلَا یَرْجِعُ اِلَیْہِ حَتّٰی یَصِحَّ رَاسُہٗ کَمَا کَانَ، ثُمَّ یَعُوْدُ عَلَیْہِ فَیَفْعَلُ بِہٖ مِثْلَ مَا فَعَلَ الْمَرَّۃَ الْاُوْلٰی قَالَ قُلْتُ لَھُمَا سُبْحَانَ اللّٰہِ مَا ھٰذَانِ؟ قَالَ قَالَا لِیْ انْطَلِقْ، قَالَ فَانْطَلَقَا فَاَتَیْنَا عَلٰی رَجُلٍ مُسْتَلْقٍ لِقَفَاہُ وَاِذَا اٰخَرُ قَائِمٌ عَلَیْہِ بِکَلُّوْبٍ مِّنْ حَدِیْدٍ وَّاِذَا ھُوَ یَاتِیْ اَحَدَ شِقَّیْ وَجْھِہٖ فَیُشَرْشِرُ شِدْقَہٗ اِلٰی قَفَاہُ وَمَنْخِرَہٗ اِلٰی قَفَاہُ وَ عَیْنَہٗ اِلٰی قَفَاہُ قَالَ وَرُبَّمَا قَالَ اَبُوْرَجَآءٍ فَیَشُقُّ قَالَ ثُمَّ یَتَحَوَّلُ اِلَی الْجَانِبِ الْاٰخِرِ فَیَفْعَلُ بِہٖ مِثْلَ مَا فَعَلَ بِالْجَانِبِ الْاَوَّلِ فَمَا یَفْرُغُ مِنْ ذٰلِکَ الْجَانِبِ حَتّٰی یَصِحَّ ذٰلِکَ الْجَانِبُ کَمَا کَانَ، ثُمَّ یَعُوْدُ عَلَیْہِ فَیَفْعَلُ مِثْلَ مَا فَعَلَ الْمَرَّۃَ الْاُوْلٰی، قَالَ قُلْتُ سُبْحَانَ اللّٰہِ مَا ھٰذَانِ ؟ قَالَ قَالَا لِیْ انْطَلِقْ فَانْطَلَقْنَا فَاَتَیْنَا عَلٰی مِثْلِ التَّنُّوْرِ قَالَ فَاَحْسِبُ اَنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ فَاِذَا فِیْہِ لَغَطٌ وَّاَصْوَاتٌ، قَالَ فَاطَّلَعْنَا فِیْہِ فَاِذَا فِیْہِ رِجَالٌ وَّ نِسَآءٌ عُرَاۃٌ وَاِذَا ھُمْ یَاْتِیْھِمْ لَھَبٌ مِّنْ اَسْفَلَ مِنْھُمْ فَاِذَا اَتَاھُمْ ذٰلِکَ اللَّھَبُ ضَوْضَوْا قَالَ قُلْتُ لَھُمَا مَا ھٰؤُلَآءِ

قَالَ قَالَا لِیْ انْطَلِقْ انْطَلِقْ :قَالَ فَانْطَلَقْنَا عَلٰی نَھْرٍ حَسِبْتُ اَنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ اَحْمَرَ مِثْلَ الدَّمِ وَ اِذَا فِی النَّھْرِ رَجُلٌ سَابِحٌ یُسَبِّحُ وَاِذَا عَلٰی شَطِّ النَّھْرِ رَجُلٌ قَدْ جَمَعَ عِنْدَہٗ حِجَارَۃً کَثِیْرَۃً وَاِذَا ذٰلِکَ السَّابِحُ یَسْبَحُ ثُمَّ یَاتِیْ ذٰلِکَ الَّذِیْ قَدْ جَمَعَ عِنْدَہُ الْحِجَارَۃَ فَیَفْغَرُ لَہٗ فَاہُ فَیُلْقِمُہٗ حَجَرًا فَیَنْطَلِقُ یَسْبَحُ ثُمَّ یَرْجِعُ اِلَیْہِ کُلَّمَا رَجَعَ اِلَیْہِ فَغَرَ لَہٗ فَاہُ فَاَلْقَمَہٗ حَجَرًا قَالَ قُلْتُ لَھُمَا مَا ھٰذَانِ ؟قَالَ قَالَا لِیْ انْطَلِقْ انْطَلِقْ قَالَ فَانْطَلَقْنَا فَاَتَیْنَا عَلٰی رَجُلٍ کَرِیْہِ الْمَرْاٰۃِ کَاکْرَہِ مَا اَنْتَ رَآءٍ رَجُلًا مَّرْاٰۃً وَاِذَا عِنْدَہٗ نَارٌ یَحُشُّھَا وَیَسْعٰی حَوْلَھَا قَالَ قُلْتُ لَھُمَا مَا ھٰذَا قَالَ قَالَا لِیْ انْطَلِقْ انْطَلِقْ فَانْطَلَقْنَا فَاَتَیْنَا عَلٰی رَوْضَۃٍ مُّعْتَمَّۃٍ فِیْھَا مِنْ کُلِّ نَوْرِ الرَّبِیْعِ وَ اِذَا بَیْنَ ظَھْرَیِ الرَّوْضَۃِ رَجُلٌ طَوِیْلٌ لَا اَکَادُ اَرٰی رَاسَہٗ طُوْلًا فِی السَّمَآءِ وَاِذَا حَوْلَ الرَّجُلِ مِنْ اَکْثَرِ وِلْدَانٍ رَّاَیْتُھُمْ قَطُّ قَالَ قُلْتُ لَھُمَا مَا ھٰذَا مَا ھٰؤُلَآءِ قَالَ قَالَا لِی انْطَلِقْ انْطَلِقْ قَالَ فَانْطَلَقْنَا فَانْتَھَیْنَا اِلٰی رَوْضَۃٍ عَظِیْمَۃٍ لَمْ اَرَ رَوْضَۃً قَطُّ اَعْظَمَ مِنْھَا وَلَا اَحْسَنَ قَالَا قَالَا لِیْ ارْقَ فِیْھَا قَالَ فَارْتَقَیْنَا فِیْھَا فَانْتَھَیْنَا اِلٰی مَدِیْنَۃٍ مَبْنِیَّۃٍ بِلَبِنٍ ذَھَبٍ وَّلَبِنٍ فِضَّۃٍ فَاَتَیْنَا بَابَ الْمَدِیْنَۃِ فَاسْتَفْتَحْنَا فَفُتِحَ لَنَا فَدَخَلْنَاھَا فَتَلَقَّانَا فِیْھَا رِجَالٌ شَطْرٌ مِّنْ خَلْقِھِمْ کَاَحْسَنِ مَا اَنْتَ رَآءٍ وَشَطْرٌ کَاَقْبَحِ مَا اَنْتَ رَاءٍ قَالَ قَالَا لَھُمْ اِذْھَبُوْا فَقَعُوْا فِیْ ذٰلِکَ النَّھْرِ، قَالَ وَاِذَا نَھْرٌ مُعْتَرِضٌ یَّجْرِیْ کَاَنَّ مَآءَہُ الْمَحْضُ فِی الْبَیَاضِ فَذَھَبُوْا فَوَقَعُوْا فِیْہِ، ثُمَّ رَجَعُوْا اِلَیْنَا قَدْ ذَھَبَ ذٰلِکَ السُّوْءُ عَنْھُمْ فَصَارُوا فِیْ اَحْسَنِ صُوْرَۃٍ، قَالَ قَالَا لِیْ ھٰذِہٖ جَنَّۃُ عَدْنٍ وَّھٰذَاکَ مَنْزِلُکَ قَالَ فَسَمَا بَصَرِیْ صُعُدًا فَاِذَا قَصْرٌ مِثْلُ الرَّبَابَۃِ الْبَیْضَآءِ قَالَ قَالَا لِی ھٰذَاکَ مَنْزِلُکَ قَالَ قُلْتُ لَھُمَا بَارَکَ اللّٰہُ فِیْکُمَا ذَرَانِیْ فَاَدْخُلَہٗ، قَالَا اَمَّا الْاٰنَ فَلَا وَاَنْتَ دَاخِلُہٗ

قَالَ قُلْتُ لَهُمَا فَاِنِّی قَدْ رَاَیْتُ مُنْذُاللَّیْلَةَعَجَبًا فَمَا هٰذَا الَّذِیْ رَاَیْتُ؟ قَالَ قَالَالِیْ: اَمَّا اِنَّا سَنُخْبِرُکَ : اَمَّا الرَّجُلُ الْاَوَّلُ الَّذِیْ اَتَیْتَ عَلَیْهِ یُثْلَغُ رَاْسُهٗ بِالْحَجَرِ فَاِنَّهُ الرَّجُلُ یَأْخُذُالْقُرْاٰنَ فَیَرْ فِضُهٗ وَیَنَامُ عَنِ الصَّلٰوةِ الْمَکْتُوْبَةِ وَاَمَّا الرَّجُلُ الَّذِیْ اَتَیْتَ عَلَیْهِ یُشَرْ شَرُ شِدْقَهٗ اِلٰی قَفَاهُ وَمِنْخِرُهٗ اِلٰی قَفَاهُ وَعَیْنُهٗ اِلٰی قَفَاهُ فَاِنَّهُ الرَّجُلُ یَغْدُوْامِنْ بَیْتِهٖ فَیَکْذِبُ الْکِذْبَةَ تَبْلُغُ الْاٰفَاقَ وَاَمَّا الرِّجَالُ وَالنِّسَآءُ الْعُرَاةُ الَّذِیْنَ فِیْ مِثْلِ بِنَآءِ التَّنُّوْرِ فَاِنَّهُمُ الزُّنَاةُ وَالزَّوَانِیْ وَاَمَّا الرَّجُلُ الَّذِیْ اَتَیْتَ عَلَیْهِ.یَسْبَحُ فِی النَّهْرِ وَیُلْقَمُ الْحَجَرُ فَاِنَّهٗ اٰکِلُ الرِّبَا وَاَمَّا الرَّجُلُ الْکَرِیْهُ الْمَرْاَٰةِ الَّذِیْ عِنْدَالنَّارِیَحُشُّهَا وَیَسْعٰی حَوْلَهَا فَاِنَّهٗ مَالِکٌ خَازِنُ جَهَنَّمَ. وَاَمَّا الرَّجُلُ الطَّوِیْلُ الَّذِیْ فِی الرَّوْضَةِ فَاِنَّهٗ اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ . وَاَمَّا الْوِلْدَانُ الَّذِیْنَ حَوْلَهٗ فَکُلُّ مَوْلُوْدٍ مَاتَ عَلَی الْفِطْرَةِ. قَالَ فَقَالَ بَعْضُ الْمُسْلِمِیْنَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ اَوْلَادُ الْمُشْرِکِیْنَ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَ اَوْلَادُ الْمُشْرِکِیْنَ.وَاَمَّا الْقَوْمُ الَّذِیْنَ کَانُوْا شَطْرٌ مِّنْهُمْ حَسَنًا وَّشَطْرٌمِّنْهُمْ قَبِیْحًا فَاِنَّهُمْ قَوْمٌ خَلَطُوْا عَمَلاً صَالِحاً وَ اٰخَرَ سَیِّئاً تَجَاوَزَ اللّٰهُ عَنْهُمْ ۔(البخاری کتاب التعبیر)

ترجمہ

سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب سے اکثر پوچھا کرتے تھے کہ کیا تم میں سے کسی نے کوئی رؤیا (خواب) دیکھی ہے؟ پھر جس کو اللہ چاہتا کہ بیان کرے وہ بیان کرتا ۔ ایک روز صبح آپ نے بیان فرمایا کہ آج رات دو آنے والے (فرشتے) آئے اور مجھے اٹھایا اور کہا چلیئے ۔ میں ان کے ساتھ چلا گیا۔ہم ایک ایسے شخص کے پاس پہنچے جو لیٹا ہوا تھا اور دوسرا اس کے پاس جو بڑا پتھر لئے کھڑا تھا جب وہ پتھر اس کے سر پر

گرا دیتا تو اس کا سر پھاڑ دیتا پھر وہ پتھر لوٹ آتا اور وہ اسے اٹھالیتا اسی دوران اس شخص کا سر ٹھیک ہو جاتا وہ اس شخص کے ساتھ ویسا ہی کرتا جیسا کہ پہلی بار کیا تھا ۔ میں نے اپنے ان ساتھیوں سے کہا سبحان اللہ ان دونوں کا کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے کہا آگے چلیئے ۔ ہم آگے بڑھے تو ایک شخص کے پاس پہنچے جو اپنی گردن کے بل لیٹا ہوا تھا اور دوسرا اس کے پاس لوہے کا آنکڑا لے کر کھڑا تھا وہ اس کے منہ کے ایک حصہ کو لیتا اور اس کا جبڑا اس کا نتھنا اس کی آنکھ گردن تک چیر ڈالتا پھر دوسری طرف کے حصہ کو لیتا اور اسی طرح کرتا جس طرح اس نے پہلی طرف کیا تھا۔ پہلی جانب سے ابھی فارغ ہوا ہی تھا کہ وہ ٹھیک ہو جاتی اور پہلی حالت میں لوٹ آتی پھر وہ اسی طرح کرتا جس طرح اس نے پہلی مرتبہ کیا تھا۔ میں نے کہا سبحان اللہ ان دونوں کا کیا معاملہ ہے؟ میرے ساتھیوں نے کہا آگے بڑھیئے ۔ پھر ہم ایک تنور جیسی چیز پر آئے جس میں شور وغل تھا۔ ہم نے اس میں جھانک کر دیکھا تو اس میں برہنہ مرد اور عورتیں تھیں اور نیچے سے آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ جب وہ شعلے ان کو لپیٹ میں لے لیتے تو وہ چیخ اٹھتے ۔ میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ میرے ساتھیوں نے کہا آگے بڑھیئے ۔ ہم آگے بڑھے تو ایک نہر پر آئے جو خون کی طرح سرخ تھی اس نہر میں ایک شخص تیر رہا تھا اور اس نہر کے کنارے دوسرا شخص تھا جس کے پاس بہت سے پتھر جمع تھے۔ جب اس کے پاس وہ تیرنے والا شخص آجاتا تو وہ اس کا منہ کھول کر اس میں پتھر ڈال دیتا پھر وہ تیرتا ہوا چلا جاتا اس کے بعد پھر وہ لوٹ آتا اور یہ شخص اس کے منہ میں پتھر ڈال دیتا۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا آگے بڑھیئے آگے بڑھیئے ۔ ہم آگے چلے تو ایک ایسے شخص کے پاس پہنچے جو دیکھنے میں نہایت ہی بدصورت تھا اور اسکے پاس آگ تھی جس کو جلا رہا تھا اور اس کے گرد چکر لگا رہا تھا۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا یہ کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے کہا آگے بڑھیئے آگے بڑھیئے ۔ ہم آگے بڑھے تو ایک سرسبز باغ کے پاس پہنچے جس میں

ربیع کے پھول کھلے تھے۔اس باغ کے درمیان ایک طویل القامت شخص تھا جس کا سر بلندی میں تھا جس کو میں دیکھ نہیں سکتا تھا۔اس شخص کے اردگرد اتنی کثرت سے بچے تھے جن کو میں کبھی دیکھ نہیں سکا تھا۔میں نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا یہ کیا ہے اور یہ کون ہیں؟انہوں نے کہا آگے چلئے آگے چلئے۔پھر ہم آگے بڑھے تو ایک بڑے باغ کے پاس پہنچے۔اس سے بڑا اور خوبصورت باغ میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔میرے ساتھیوں نے کہا اس میں چڑھئے تو ہم اس میں چڑھے اور ایک ایسے شہر میں پہنچے جو سونے اور چاندی کی اینٹوں سے بنا تھا۔ہم اس شہر کے دروازہ پر پہنچے اور اس کو کھولنے کے لئے کہا تو ہمارے لئے دروازہ کھول دیا گیا اور ہم اس میں داخل ہوگئے۔ہم نے اس میں ایسے آدمیوں کو دیکھا جن کا نصف جسم نہایت خوبصورت تھا اور نصف نہایت بدصورت۔انہوں نے ان سے کہا جاؤ اور اس نہر میں غوطہ لگاؤ۔وہ نہر کشادہ تھی اور بہہ رہی تھی اور اس کا پانی خالص سفید تھا۔وہ لوگ گئے اور اس نہر میں غوطہ لگایا پھر ہمارے پاس لوٹے تو ان کی بدصورتی چلی گئی تھی اور وہ خوبصورت بن گئے تھے۔میرے ساتھیوں نے بتایا کہ یہ جنت عدن ہے اور یہ آپ کی منزل ہے۔میں نے اپنی نگاہیں اوپر اٹھا کر دیکھا تو سفید ابر کی طرح ایک محل تھا۔انہوں نے مجھ سے کہا کہ یہ آپ کی منزل ہے۔میں نے کہا اللہ تمہیں برکت دے۔مجھے چھوڑ دو کہ میں اس میں داخل ہوجاؤں۔کہنے لگے ابھی نہیں البتہ آپ اس میں ضرور داخل ہوں گے۔میں نے ان سے کہا رات بھر میں نے عجیب چیزیں دیکھیں تو یہ کیا ہے اس نے کہا ہم آپ کو بتلائے دیتے ہیں۔پہلا وہ شخص جس کے پاس آپ پہنچے تھے اور جس کا سر پتھر سے پھوڑا جا رہا تھا اس نے قرآن حاصل کرکے اسے چھوڑ دیا اور فرض نماز چھوڑ کر سوتا رہتا تھا۔دوسرا وہ شخص جس کے پاس آپ پہنچے اور اس کا جبڑا چیرا جا رہا تھا اور اس کا نتھنا اس کی آنکھ گردن تک چیری جا رہی تھی وہ اپنے گھر سے صبح نکلتا اور ایسا جھوٹ بولتا جو دنیا میں پھیل جاتا تھا۔جن مردوں اور عورتوں کو آپ نے

تنور میں عریاں دیکھا وہ زانی مرد اور زانی عورتیں تھیں۔اور جس شخص کے پاس آپ پہنچے اور وہ تیر رہا تھا اور اسے پتھر کھلائے جا رہے تھے وہ سود کھانے والا شخص تھا اور جو شخص کریہ المنظر آگ کے پاس تھا اور اسے جلائے جا رہا تھا اور اس کے گرد گھوم رہا تھا وہ جہنم کا خازن مالک تھا۔اور باغ میں جو شخص طویل القامت تھا وہ ابراہیم علیہ السلام تھے۔۔۔۔۔۔۔۔ان کے اردگرد جو بچے تھے وہ ایسے تمام بچے تھے جن کی موت فطرت پر ہوئی تھی۔بعض مسلمانوں نے آپ سے پوچھا اور مشرکین کی اولاد؟ آپ نے فرمایا مشرکین کی اولاد بھی۔۔۔۔۔۔۔رہے وہ لوگ جن کا آدھا جسم خوبصورت اور آدھا بدصورت تھا وہ ایسے لوگ تھے جنہوں نے اپنے نیک عمل کے ساتھ برے عمل کو ملایا تھا۔اللہ نے ان سے درگزر فرمایا۔(بخاری کتاب التعبیر)

تشریح

یہ حدیث گو طویل ہے لیکن مضمون کے لحاظ سے کافی اہم ہے کیوں کہ اس میں عالم برزخ کی ایک جھلک دکھائی گئی ہے۔نبی ﷺ نے عالم برزخ کے ان واقعات کا مشاہدہ خواب میں دو فرشتوں کے ساتھ کیا۔ایک نبی کا خواب بالکل سچا ہوتا ہے اور قرآن میں بھی نبی ﷺ کے خواب کے بارے میں ارشاد ہوا ہے کہ:

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ (سورہ فتح:۲۷)

''اللہ نے اپنے رسول کے خواب کو جو مبنی برحق تھا سچا کر دکھایا۔''

لہٰذا عالم برزخ کے جو واقعات مذکورہ حدیث میں بیان ہوئے ہیں وہ بالکل سچے ہیں۔آغاز میں جو چار واقعات بیان ہوئے ہیں۔ان میں سے پہلا واقعہ تو اس شخص سے متعلق ہے جو قرآن سے غفلت برتتا تھا اور نماز کے وقت سوتا رہتا تھا۔اس کی سزا اس کو یہ مل رہی ہے کہ اس کا سر پھاڑا جا رہا ہے۔قرآن کو چھوڑنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کی صرف تلاوت چھوڑ دی جائے۔بلکہ اس کو نہ سمجھنے کی کوشش کی جائے اور نہ اس پر عمل کرنے کی۔فجر کا وقت اللہ کو یاد کرنے اور نماز پڑھنے کا ہوتا ہے لیکن جس کو نیند پیاری ہوتی ہے وہ صبح دیر

تک سوتا رہتا ہے اسی طرح رات کو عشاء کی نماز پڑھے بغیر سو جاتا ہے۔ یہ نینداس کے دماغ میں سموئی ہوتی ہے اس لئے اس کی سزا اس کو یہ ملتی ہے کہ اس کا سر پھاڑ دیا جاتا ہے۔

دوسرا واقعہ جھوٹ بولنے والے شخص سے متعلق ہے جس کا جھوٹ دنیا بھر میں پھیل جاتا تھا۔ یہ ایک ایسے شخص کا کردار ہے جو جھوٹا پروپیگنڈا کر کے فساد پھیلاتا ہے اس کو سزا بھی جنس عمل ہی سے دی جا رہی ہے یعنی اس کا جبڑا چیرا جا رہا ہے۔

تیسرا واقعہ زانی مردوں اور عورتوں کا ہے جس کی سزا ان کے عمل کی مناسبت سے انہیں یہ دی جا رہی ہے کہ وہ آگ کے تنور میں برہنہ ہیں جس میں نیچے سے شعلے بھڑکتے ہیں۔ دنیا میں انہوں نے ناجائز طریقہ پر جو لذت حاصل کی اس کا خمیازہ ان کو کس بری طریقہ سے بھگتنا پڑ رہا ہے!

چوتھا واقعہ سود خور کا ہے جو سرخ نہر میں تیر رہا ہے اور اسے پتھر کھلائے جا رہے ہیں۔ سرخ نہر خون کی نہر ہے اور سود خور حقیقۃً لوگوں کا خون چوستا ہے اور مال کا ایسا حریص ہوتا ہے کہ اس کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا اس لئے اس کا پیٹ پتھروں سے بھرا جا رہا ہے۔ یہ کیسی دردناک سزائیں ہیں جو برائیوں کا ارتکاب کرنے والوں کو عالم برزخ میں مل رہی ہیں! اللہ کا تقویٰ ہی ہے جو ان سزاؤں سے بچا سکتا ہے۔

حدیث کے بقیہ مضمون میں کوئی بات تشریح طلب نہیں ہے بجز اس کے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اردگرد جو بچے تھے ان کے بارے میں صحابہ کے سوال کرنے پر آپ نے صراحت فرمائی کہ ان میں مشرکین کے بچے بھی شامل ہیں کیوں کہ ان کی موت بھی فطرت سلیمہ پر ہوئی تھی۔ ابھی وہ بالغ نہیں ہوئے تھے کہ مکلّف قرار پاتے اور ہر شخص توحید پر پیدا ہوتا ہے اور یہی انسان کی فطرت سلیمہ ہے۔

مؤمن کے سچے خواب کی فضیلت

حدیث

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ : مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ فَاِنَّ الشَّیْطٰنَ لَا یَتَخَیَّلُ بِیْ وَ رُؤْیَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَّاَرْبَعِیْنَ جُزْءً مِّنَ النُّبُوَّةِ. (البخاری کتاب التعبیر)

ترجمہ

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے واقعی مجھے دیکھا کیوں کہ شیطان میرا روپ اختیار نہیں کرسکتا۔ اور مؤمن کی رؤیا (سچا خواب) نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔ (بخاری کتاب التعبیر)

تشریح

نبی ﷺ کے اس ارشاد کا کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے واقعی مجھے دیکھا'' مطلب گزشتہ حدیث میں بیان کیا جا چکا ہے۔ قاضی عیاض کہتے ہیں:

یحتمل ان یکون المراد بقوله فقد رانی اوفقد رای الحق ان من راه علی صورته فی حیاته کانت رؤیاه حقا ومن راه علی غیر صورته کانت رؤیاه تاویل .

(فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۲۳)

'' آپ کے اس ارشاد کا کہ واقعی اس نے مجھے دیکھا یا اس نے حقیقۃً دیکھا مطلب محتمل ہے۔ یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ جس نے اس شکل میں آپ کو دیکھا جو آپ کی زندگی میں تھی تو دیکھنے والے کا خواب سچا ہے اور جس نے کسی اور شکل میں آپ کو دیکھا تو وہ خواب تاویل طلب ہے۔''

اب یہ کون وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ اس نے جس شکل میں آپ کو خواب میں دیکھا وہ وہی شکل ہے جو آپ کی اپنی حیات مبارکہ میں تھی۔ اور جب یہ بات صحابۂ کرام کے علاوہ دوسرے لوگ وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتے تو ان کا خواب میں آپ کو دیکھنا محتمل ہی ہے۔

دوسری بات جو اس حدیث میں بیان ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ مؤمن کی رؤیا نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔ یہ ایک تمثیلی پیرایۂ بیان ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مؤمن اگر سچا خواب دیکھ لیتا ہے جس کا تعلق آئندہ رونما ہونے والے کسی واقعہ سے ہے تو ایک گونہ نبوت کی اس خصوصیت سے مماثلت رکھنے والی بات ہے کہ ایک نبی وحی الٰہی کی بنا پر آئندہ کی خبریں دیتا ہے۔ اس سے مؤمن کے سچے خواب کی فضیلت تو ظاہر ہوتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جو مؤمن سچا خواب دیکھتا ہے اس میں نبوت کی کوئی خصوصیت پیدا ہوگئی۔ حدیث کے الفاظ میں یہ معنی پہنائے کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور نہ مؤمن کا کوئی خواب شرعی حجت کی حیثیت رکھتا ہے چنانچہ بخاری کے شارح حافظ ابن حجر نے صراحت کی ہے کہ۔

فَقَدْ صَرَحَ الْاَئِمَّةُ بِاَنَّ الْاَحْکَامَ الشَّرْعِيَّةَ لَا تَثْبُتُ بِذٰلِکَ .

(فتح الباری ج ۲ ص ۳۲۵)

”ائمہ نے صراحت کی ہے کہ شرعی احکام اس سے (خواب سے) ثابت نہیں ہوتے۔“

خواب سچے بھی اور جھوٹے بھی

حدیث

عَنْ اَبِی قَتَادَةَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم : الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ مِنَ اللّٰهِ وَ الْحُلُمُ مِنَ الشَّيْطَانِ فَمَنْ رَأٰی شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلْيَنْفِثْ عَنْ شِمَالِهِ ثَلَاثًا وَّلْيَتَعَوَّذْ مِنَ الشَّيْطَانِ فَاِنَّهَا لَا تَضُرُّهُ وَ اِنَّ الشَّيْطَانَ لَايَتَزَا يَابِیْ . (البخاری کتاب التعبیر)

ترجمہ

ابوقتادہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا خواب (رؤیا) اللہ کی طرف سے ہے اور حلم (براخواب) شیطان کی طرف سے۔ تو جو شخص کوئی ناگوار چیز دیکھ لے تو وہ تین مرتبہ اپنے بائیں جانب پھونکے اور شیطان سے پناہ مانگے پھر اسے نقصان نہیں پہنچے گا اور شیطان میری شکل اختیار نہیں کرسکتا۔ (بخاری کتاب التعبیر)

تشریح

اس حدیث میں دو قسم کے خوابوں کا ذکر ہوا ہے۔ ایک اچھے اور سچے خواب اور دوسرے بُرے اور جھوٹے خواب کا۔ اچھے اور سچے خواب اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں اور وہ مؤمن کے لئے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے مبشرات یعنی خوشخبری کا باعث ہوتے ہیں۔ عام طور سے سچے خواب لطیف پیرایہ میں ہوتے ہیں اس لئے ان کو سمجھنے کے لئے تعبیر کی ضرورت نہیں پڑتی ہے بعض مرتبہ آدمی آئندہ پیش آنے والے کسی واقعہ کو دیکھ لیتا ہے اور بعد میں وہ واقعہ ظہور میں آتا ہے۔ مثلاً کسی نیک آدمی کا جنازہ دیکھ لیا ہے اور چند دن بعد ہی اس کے مرنے کی خبر آگئی یا کہیں بھیانک آگ دیکھ لی اور بعد میں فتنہ وفساد برپا ہوگیا۔ گویا آگ کا اشارہ فتنہ وفساد کی آگ کی طرف تھا۔ ان خوابوں کا سچا ہونا اللہ کی ایک نشانی ہے اور اس بات کا یقین پیدا کرتی ہے کہ وہ اللہ ہے جس نے ہر چیز کا پہلے سے منصوبہ (تقدیر) بنایا ہے ورنہ کسی واقعہ کو ظہور میں آنے سے پہلے آدمی کس طرح خواب میں دیکھ سکتا ہے۔ اور جب سچے خواب میں اللہ کی نشانی ہے جو دعوت فکر دیتی ہے تو بعض مرتبہ کافروں کو بھی

اللہ تعالیٰ سچے خواب دکھاتا ہے چنانچہ عزیز مصر کو قحط سالی کا خواب دکھایا گیا تھا۔

اچھے اور سچے خوابوں کی حقیقت بس اسی قدر ہے ورنہ ان سے کوئی شرعی حکم ثابت نہیں ہوتا اور نہ کسی کا اچھا اور سچا خواب دوسرے شخص کے لئے حجت ہوتا ہے۔

دوسری قسم کے خواب جو برے اور جھوٹے ہوتے ہیں حلم اور احلام کہلاتے ہیں۔ یہ شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں۔ شیطان برے خوابوں کے ذریعہ غم اور اندیشوں میں ڈالنے کی کوشش کرتا ہے، آپس میں بدگمانی کیلئے شوشے چھوڑ دیتا ہے اور گمراہی کا سامان کرتا ہے۔ اگر بُرا خواب آدمی دیکھ لے تو اس کی مضرات سے بچنے کا طریقہ حدیث میں یہ بتلایا گیا ہے کہ وہ تین مرتبہ اپنے بائیں جانب پھونکے۔ یہ گویا نفسیاتی عمل ہے شیطان کے اثرات کو دور کرنے کا۔ ساتھ ہی شیطان سے اللہ کی پناہ مانگے یعنی اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہے۔

خواب کی یہ موٹی موٹی دو قسمیں ہیں جو حدیث میں بیان ہوئی ہیں۔ خواب کی ایک تیسری قسم حدث نفس بھی ہے جس میں آدمی کا نفس ہی بات کرتا ہے اور یہ بات کسی مرض وغیرہ کی وجہ سے ہوتی ہے۔ مثلاً پیٹ کی خرابی ہو تو وہ بھیانک خواب دیکھنے لگتا ہے یا آدمی جن کاموں میں مشغول رہتا ہے اس کے تعلق سے خواب میں بھی کچھ چیزیں دیکھ لیتا ہے۔ ایسے خواب تعبیر کے لئے نہیں ہوتے۔

اس حدیث سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ خواب میں جب شیطان وسوسہ اندازی کرتا ہے تو کسی بھی آدمی کا خواب خواہ کوئی وہ بزرگ ہی کیوں نہ ہو۔ نہ اس کے لئے حجت ہوسکتا ہے اور نہ دوسروں کے لئے۔ حجت شرعی احکام ہیں نہ کہ خواب۔ صرف انبیاء علیہم السلام اس سے مستثنیٰ ہیں کہ ان کے خواب رویائے صادقہ ہوتے ہیں اور شیطان ان میں مداخلت نہیں کرسکتا۔

نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ شیطان میری شکل اختیار نہیں کرسکتا۔ آپ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی واقعی جو ہیئت ہے اس کو شیطان اختیار نہیں کرسکتا۔ اب یہ بات کہ آپ کی ہیئت کیا تھی ان ہی لوگوں کو معلوم ہوسکتی تھی جنہوں نے آپ کو اپنی زندگی میں دیکھا لیکن بعد کے لوگوں نے جب آپ کو دیکھا ہی نہیں ہے تو وہ کس بنا پر کہہ سکتے ہیں کہ خواب میں انہوں نے جو شبیہ دیکھی وہ نبی ﷺ ہی کی تھی۔ کیا شیطان کوئی اور روپ دھار کر یہ باور کرانے کی کوشش نہیں کرسکتا کہ یہ نبی ﷺ کی شبیہ ہے؟ اس لئے بعد کے لوگوں کے خواب محتمل ہی ہوسکتے ہیں۔

قرآن سے شغف اور اس کا فہم

قرآن کی خوشبو سے مہک اٹھنے والا

حدیث

عَنْ اَبِیْ مُوْسیٰ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ مَثَلُ الَّذِیْ یَقْرَأُ الْقُرْآنَ کَالْاُتْرُجَّةِ طَعْمُهَا طَیِّبٌ وَ رِیْحُهَا طَیِّبٌ وَّ الَّذِیْ لَا یَقْرَأُ الْقُرْآنَ کَالتَّمْرَةِ طَعْمُهَا طَیِّبٌ وَّلَا رِیْحَ لَهَا وَ مَثَلُ الْفَاجِرِ الَّذِیْ یَقْرَأُ الْقُرْآنَ کَمَثَلِ الرَّیْحَانَةِ رِیْحُهَا طَیِّبٌ وَّطَعْمُهَا مُرٌّ وَّمَثَلُ الْفَاجِرِ الَّذِیْ لَایَقْرَأُ الْقُرْآنَ کَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ طَعْمُهَا مُرٌّ وَّلَا رِیْحَ لَهَا. (البخاری کتاب فضائل القرآن)

ترجمہ

حضرت ابوموسیٰ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مؤمن کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے ترنج کی سی ہے جس کا ذائقہ بھی اچھا ہوتا ہے اور خوشبو بھی اچھی۔ اور اس مؤمن کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا اور اس پر عمل کرتا ہے کھجور کی سے ہے جس کا ذائقہ اچھا لیکن اس میں خوشبو نہیں ہوتی۔ اور منافق کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے خوشبودار پودے کی سی ہے جس کی خوشبو اچھی لیکن مزا کڑوا اور اس منافق کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا حنظلہ کی سی ہے جس کا مزا کڑوا اور بو بھی کڑوی۔ (البخاری کتاب فضائل القرآن)

تشریح

ان مثالوں میں بہترین مثال اس مؤمن کی ہے جو قرآن پڑھتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے۔ قرآن پڑھنے کا مطلب سمجھ کر قرآن پڑھنا ہے کیونکہ یہاں جو فضیلت بیان کی گئی ہے وہ ایسے ہی شخص کی ہے اور جب وہ

اس پر عمل بھی کرتا ہے تو اس پر اترجہ کی مثال پوری طرح صادق آجاتی ہے اس کا ذائقہ بھی اچھا اور خوشبو بھی اچھی۔ اس طرح مؤمن قرآن کے ذریعہ سراپا خیر بن جاتا ہے اور قرآن کی خوشبو سے مہک اٹھتا ہے۔ لیکن جو مؤمن قرآن کو پڑھتا نہیں ہے البتہ اس پر عمل کرتا ہے اس کی مثال کھجور سے دی گئی ہے جس کا ذائقہ اچھا ہوتا ہے لیکن اس میں خوشبو نہیں ہوتی۔ قرآن کو نہ پڑھنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ قرآن کو سرے سے پڑھتا ہی نہیں کیونکہ قرآن کو پڑھے بغیر نماز کس طرح ادا ہوگی اور قرآن پر عمل کرنے کی بات کس طرح صادق آئے گی بلکہ مطلب یہ ہے کہ قرآن کو ذوق وشوق کے ساتھ پڑھنے کا وہ اہتمام نہیں کرتا اسلئے وہ قرآن کی خوشبو سے محروم ہے۔

تیسری مثال اس منافق کی ہے جو قرآن پڑھتا ہے۔ خوشبودار پودے کی طرح اس کا ظاہر اچھا ہے لیکن باطن کڑوا۔ چوتھی مثال ایسے منافق کی ہے جو قرآن نہیں پڑھتا۔ اس کا ظاہر بھی خراب اور باطن بھی خراب اس لئے اس پر حنظلہ کی مثال صادق آتی ہے جس کا مزا بھی کڑوا اور جس کی بو بھی کڑوی۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ .
(سورہ بقرہ:۱۲۱)
”جن لوگوں کو ہم نے کتاب عطا کی ہے وہ اسے اس طرح پڑھتے ہیں جس طرح پڑھتے کا حق ہے۔“

ماہر قرآن

حدیث

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ، وَالَّذِىْ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَ يَتَتَعْتَعُ فِيْهِ ، وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ ، لَهٗ اَجْرَانِ .

(مسلم کتاب فضائل القرآن)

ترجمہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرآن کا ماہر ان فرشتوں کے ساتھ ہے جو قرآن کو لکھنے والے، معزز اور وفا شعار ہیں اور جو شخص قرآن کو اٹکتے ہوئے پڑھتا ہے اور اس کا پڑھنا اس کے لئے مشکل ہوتا ہے اس کے لئے دوگنا اجر ہے۔(مسلم کتاب فضائل القرآن)

تشریح

قرآن کے ماہر سے مراد وہ شخص ہے جو قرآن کے پڑھنے میں اور اس کے فہم وبصیرت میں مہارت رکھتا ہو اور اسکے مطابق اس کا عمل بھی ہو۔ ایسے شخص کو اس بات کی خوشخبری دی گئی ہے کہ اس کو ان فرشتوں کی رفاقت حاصل ہے جو آسمان پر قرآن کی کتابت کرتے ہیں، نہایت معزز ہیں اور نیک اور وفا شعار ہیں۔ سورۂ عبس آیت ۱۳ تا ۱۶ میں قرآن اور اس کے لکھنے والے فرشتوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔

فِیْ صُحُفٍ مُّکَرَّمَةٍ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ بِاَیْدِیْ سَفَرَةٍ کِرَامٍ بَرَرَةٍ .

”یہ ایسے صحیفوں (اوراق) میں ہے جو نہایت قابل احترام ہیں، ایسے کاتبوں کے ہاتھوں میں ہیں جو معزز اور وفا شعار ہیں۔“

قرآن کو حفظ کر لینا بھی بہت بڑے فضیلت کی بات ہے لیکن جو حافظ قرآن بھی قرآن کو سمجھنے کی کوشش

نہیں کرتا اور نہ اس پر عمل پیرا ہوتا ہے اس کیلئے یہ فضیلت نہیں ہے بلکہ الٹ ایسے لوگوں کو اس بات کی جوابدہی کرنا ہوگی کہ وہ قرآن فہمی سے کیوں بے اعتنائی برتتے رہے اور عملی زندگی کو اس کے مطابق کیوں نہیں سنوارا۔

مذکورہ حدیث میں دوسری بات یہ ارشاد ہوئی ہے کہ جس شخص کے قرآن پڑھنے میں زبان کی لکنت وغیرہ کی وجہ سے رکاوٹ ہو لیکن وہ اس رکاوٹ کے باوجود قرآن کو پڑھنے کی کوشش کرتا ہو تو گو وہ روانی کے ساتھ نہیں پڑھ سکتا لیکن زبان کی رکاوٹ کے باوجود اس کا قرآن کو پڑھنا اللہ کے نزدیک بڑی قابل قدر بات ہے اور اس پر وہ دوگنے اجر کا مستحق ہے۔

بے سمجھے قرآن پڑھنے والے

حدیث

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ : لَمْ يَفْقَهْ مَنْ قَرَاءَ الْقُرْآنَ فِیْ اَقَلَّ مِنْ ثَلَاثٍ . (ترمذی ابواب القرأت)

ترجمہ

”عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے تین دن سے کم وقت میں (پورا) قرآن پڑھا اس نے کچھ نہیں سمجھا۔“ (ترمذی ابواب القرأت)

تشریح

ظاہر ہے جو شخص تین دن سے بھی کم وقت میں قرآن ختم کرے گا وہ اللہ کے کلام پر سے سرسری طور سے گزر جائے گا اور اس کے معنی ومفہوم کی طرف کوئی توجہ نہیں کرے گا۔ ایک عربی جاننے والا شخص بھی اگر ایسی قرأت کرتا ہے تو اس کو مذکورہ حدیث میں ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ اس سے یہ بات خود بخود واضح ہوتی ہے کہ قرأت قرآن سے مقصود محض الفاظ کو زبان سے ادا کرنا نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اسکو سمجھنے کی کوشش کرنا بھی ہے۔

رشک کرنا کس پر روا ہے

حدیث

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَحَاسُدَ اِلَّا فِی اثْنَتَیْنِ رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ الْقُرْاٰنَ فَهُوَ یَتْلُوْهُ اٰنَآءَ الَّیْلِ وَاٰنَآءَ النَّهَارِ فَهُوَ یَقُوْلُ لَوْ اُوْتِیْتُ مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ هٰذَا لَفَعَلْتُ كَمَا یَفْعَلُ وَرَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالاً فَهُوَ یُنْفِقُهٗ فِیْ حَقِّهٖ فَیَقُوْلُ لَوْ اُوْتِیْتُ مِثْلَ مَا اُوْتِیَ عَمِلْتُ فِیْهِ مِثْلَ مَا یَعْمَلُ. (البخاری کتاب التوحید)

ترجمہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رشک صرف دو اشخاص پر کرنا روا ہے۔ ایک وہ شخص جس کو اللہ نے قرآن عطاء کیا تو وہ رات اور دن کی گھڑیوں میں اس کی تلاوت کرتا ہے۔ ایسے شخص کو دیکھ کر دوسرا شخص کہتا ہے کہ اگر مجھے بھی یہ چیز بخشی گئی ہوتی تو میں بھی اسی کی طرح کرتا اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ نے دولت بخشی تو وہ اس کے حقوق ادا کرنے میں خرچ کرتا ہے ایسے شخص کو دیکھ کر دوسرا شخص کہتا ہے کہ مجھے بھی ایسی چیز عطاء ہوتی تو میں بھی اسی کی طرح عمل کرتا۔

تشریح

لوگ دولت مند کو دیکھ کر رشک کرتے ہیں کہ کاش ہم کو بھی ایسی دولت مل گئی ہوتی اور کسی منصب پر فائز شخص کو دیکھ کر رشک کرتے ہیں کہ کاش ہم کو بھی یہ منصب مل گیا ہوتا! اس رشک میں دنیوی شان وشوکت مطلوب ہوتی ہے۔ ان چیزوں کا اگر کوئی فائدہ ہے تو وہ دنیا کی عارضی زندگی کی حد تک ہی ہے اس لئے ایسی چیزوں پر رشک کرنا بے سود ہے۔ آخرت کی مستقل کامیابی کے تعلق سے جن اشخاص کو دیکھ کر رشک کیا جاسکتا ہے اس کی دو مثالیں اس حدیث میں پیش کی گئی ہیں۔ ایک وہ شخص جس کو قرآن کی دولت ملی اور وہ

دن رات اس کی تلاوت میں منہمک ہے۔ تلاوت سے مراد قرآن کو بے سمجھے پڑھنا نہیں ہے۔ چونکہ مخاطب عرب تھے جن کی زبان عربی تھی اس لئے جب وہ قرآن کی تلاوت کرتے تو اس کے معنی ان کی سمجھ میں آجاتے اس لئے حدیث میں قرآن کو سمجھ کر پڑھنے کی صراحت نہیں کی گئی۔ اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ ایسا شخص کیسے قابل رشک ہوسکتا ہے جو قرآن کی تلاوت تو رات دن کرتا ہے لیکن زندگی میں ایک مرتبہ بھی اس نے قرآن کو معنیٰ کے ساتھ سمجھنے کی کوشش نہیں کی اور اس بنا پر اس کو قرآن سے جتنا فائدہ پہنچنا چاہئے نہیں پہنچ سکا۔ اس نے کلام الٰہی کی جس طرح قدر کرنا چاہئے تھی معنی کی طرف سے بے رخی برت کر قدر نہیں کی۔ قرآن کریم میں تو کتابِ الٰہی کی تلاوت کرنے والوں کی جہاں تعریف کی گئی ہے وہاں ان کا یہ وصف بھی بیان کردیا ہے کہ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ (بقرہ:۱۲۱) ''وہ اس کی اس طرح تلاوت کرتے ہیں جس طرح کہ تلاوت کرنے کا حق ہے۔'' ظاہر ہے تلاوت کرنے کے حق میں اس کے معنی ومفہوم کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا شامل ہے اور لفظ تلاوت کے وسیع تر مفہوم میں پیروی کرنا بھی شامل ہے پھر رسمی تلاوت کرنے والے شخص کو کس طرح قابلِ رشک قرار دیا جاسکتا ہے؟ درحقیقت اس حدیث میں شب وروز قرآن کی تلاوت کرنے والے شخص کو جو قابلِ رشک قرار دیا گیا ہے تو اس سے اس کے قرآن سے شغف اور اس کے اس میں انہماک کی تعریف مقصود ہے۔ رہا دوسرا شخص قابل رشک ہے تو اس بنا پر کہ اسے وافر دولت ملی اور وہ اس دولت کو حقوق کی ادائیگی میں دن رات خرچ کررہا ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ فَهُوَ یُهْلِکُهٗ فِی الْحَقِّ ''وہ راہ حق میں بے دریغ خرچ کرتا ہے۔'' (بخاری فضائل القرآن) گویا مالدار ہونا کوئی خوبی کی بات نہیں ہے بلکہ خوبی کی بات یہ ہے کہ آدمی زیادہ سے زیادہ انفاق کرے۔ لوگ دولت کماتے ہیں مگر انفاق کرنے میں بخل برتتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ جو مال ان کو ملا وہ ان کے اپنے ذاتی یا اپنی اولاد وغیرہ کے مصرف میں لانے ہی کیلئے ہے اس لئے ان کو اپنا بینک بیلنس بڑھانے ہی کی فکر ہوتی ہے حالانکہ اس کے مال میں دوسروں کے حقوق بھی ہوتے ہیں مثلاً قریبی رشتہ داروں کے حقوق، مسکینوں اور محتاجوں کے حقوق، دین کی تبلیغ واشاعت، اس کے غلبہ اور اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کی جدوجہد اور جہاد جیسے امور پر خرچ کرنا۔ تو جو شخص اپنے مال میں سے ان سب حقوق پر بے دریغ خرچ کرتا ہے وہ یقیناً قابلِ رشک ہے اس لئے کہ وہ اپنے مال کو اللہ کے ہاں جمع کررہا ہے جسے وہ کئی گنا بنا کر قیامت کے دن لوٹانے والا ہے۔ مراد اس پر مرتب ہونے والا اجر عظیم ہے۔

ریاء نیک عمل کو برباد کر دیتی ہے

حدیث

عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ قَالَ : تَفَرَّقَ النَّاسُ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ فَقَالَ لَهٗ نَاتِلُ اَهْلِ الشَّامِ اَيُّهَاالشَّيْخُ ! حَدِّثْنَا حَدِيْثاً سَمِعْتَهٗ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّ اَوَّلَ النَّاسِ يُقْضٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَيْهِ، رَجُلٌ اُسْتُشْهِدَ. فَاُتِیَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعَمَهٗ فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيْهَا؟ قَالَ: قَاتَلْتُ فِيْکَ حَتّٰى اُسْتُشْهِدْتُ قَالَ: كَذَبْتَ وَلٰكِنَّکَ قَاتَلْتَ لِاَنْ يُقَالَ جَرِیْءٌ . فَقَدْقِيْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ حَتّٰى اُلْقِیَ فِی النَّارِ. وَرَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَ عَلَّمَهٗ وَقَرَأَ الْقُرْآنَ. فَاُتِیَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعَمَهٗ فَعَرَفَهَا قَالَ : فَمَا عَمِلْتَ فِيْهَا؟ قَالَ تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُهٗ وَ قَرَأْتُ فِيْکَ الْقُرْآنَ قَالَ: كَذَبْتَ وَلٰكِنَّکَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِيُقَالَ عَالِمٌ . وَقَرَأْتَ الْقُرْآنَ لِيُقَالَ هُوَ قَارِیٌٔ. فَقَدْقِيْلَ. ثُمَّ اُمِرَبِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ حَتّٰى اُلْقِیَ فِی النَّارِ.وَرَجُلٌ وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اَعْطَاهُ مِنْ اَصْنَافِ الْمَالِ كُلِّهٖ فَاُتِیَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعَمَهٗ فَعَرَفَهَا. قَالَ: فَمَا عَمِلْتَ فِيْهَا؟ قَالَ: مَاتَرَكْتُ مِنْ سَبِيْلٍ تُحِبُّ اَنْ يُّنْفَقَ فِيْهَا اِلَّا اَنْفَقْتُ فِيْهَا لَکَ قَالَ : كَذَبْتَ . وَلٰكِنَّکَ فَعَلْتَ لِيُقَالَ هُوَ جَوَادٌ فَقَدْ قِيْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ. ثُمَّ اُلْقِیَ فِی النَّارِ. (مسلم کتاب الامارات)

ترجمہ

سلیمان بن یسار کہتے ہیں کہ جب لوگ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے چلے گئے تو

ناتل نے جو شام والوں میں سے تھا کہا اے شیخ ! مجھے ایک حدیث سنایئے جو آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سُنی ہو۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا جی ہاں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن پہلے جس شخص کا فیصلہ ہوگا وہ ایک شخص ہوگا جو شہید ہوا تھا۔اسے لایا جائے گا اور اللہ اس کو اپنا احسان یاددلائے گا تو وہ اسے یاد کرے گا۔ اللہ پوچھے گا کہ تو نے اس کو پا کر کیا عمل کیا۔وہ عرض کرے گا میں تیری راہ میں لڑا یہاں تک کہ میں شہید ہو گیا۔اللہ فرمائے گا تو جھوٹ بول رہا ہے تو اس لئے لڑا تھا کہ تو بہادر کہلائے تو تو بہادر کہلایا۔پھر حکم ہوگا تو اسے منہ کے بل گھسیٹتے ہوئے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ایک اور شخص کو لایا جائے گا جس نے علم حاصل کیا تھا اور تعلیم دی تھی اور قرآن پڑھا تھا۔اللہ اس کو اپنا احسان یاددلائے گا تو وہ اسے یاد کرلے گا پھر پوچھے گا کہ تو نے اس کو پا کر کیا عمل کیا؟ وہ عرض کرے گا میں نے علم حاصل کیا اور سکھایا اور قرآن پڑھا تیرے لئے۔اللہ فرمائے گا تو جھوٹ بول رہا ہے تو نے علم اس لئے حاصل کیا تھا کہ تو عالم کہلائے اور قرآن اس لئے پڑھا تھا کہ قاری کہلائے تو تو عالم اور قاری کہلایا۔پھر حکم ہوگا تو اسے منہ کے بل گھسیٹا جائے گا اور جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ایک اور شخص کو لایا جائے گا جس کو اللہ نے کشادہ گی عطاء فرمائی تھی اور ہر قسم کا مال بخشا تھا۔اللہ اس کو اپنا احسان یاددلائے گا تو وہ اسے یاد کرے گا پھر پوچھے گا کہ تو نے اس کو پا کر کیا عمل کیا۔وہ عرض کرے گا میں نے ہر اس راہ میں خرچ کیا جو تجھے پسند تھی۔ اللہ فرمائے گا تو جھوٹ بول رہا ہے تو نے اس لئے خرچ کیا کہ فیاض کہلائے تو تو فیاض کہلایا۔ پھر حکم ہوگا تو اسے منہ کے بل گھسیٹتے ہوئے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

(مسلم کتاب الامارات)

تشریح

یہ حدیث اہل ایمان کے رونگٹے کھڑے کر دینے والی ہے۔نیک عمل کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اگر اس میں ریاء

(دکھاوے) کی آمیزش ہوگی تو وہ رائیگاں جانے والا ہے۔ اللہ تو اس نیکی ہی کو قبول فرماتا ہے جو خالصتہً اس کے لئے کی گئی ہو۔

شہید کا مرتبہ کتنا بلند ہے لیکن یہ اسی صورت میں جب کہ وہ اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے لڑا ہو اگر شہید کہلانے اور ناموری حاصل کرنے کے لئے لڑا تھا تو الٹ سزا کا مستحق ہوگا۔

قرآن پڑھنے والے اور اس کا علم حاصل کرنے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دینے والے کا درجہ کتنا بلند ہے مگر یہ اسی صورت میں جب کہ اس سے رضائے الٰہی مقصود ہو۔ اگر یہ نیک عمل قاری اور عالم کہلانے کے لئے کیا گیا تھا تو اس پر وہ اجر کا نہیں بلکہ سزا کا مستحق ہوگا۔ آج کتنے قرآن کے قاری ہیں جو فن قرأت میں اپنی مہارت کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں چنانچہ ان کی قرأت میں سوز و گداز نہیں ہوتا اور نہ وہ کلام پاک کی تاثیر سے لوگوں کو متاثر کرنے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں بلکہ اپنی خوش گلوئی اور اپنی قرأت کا کمال دکھا کر لوگوں سے داد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ کاش انہیں اس کے انجام کا احساس ہوتا!

جس شخص کو اللہ نے مال و دولت سے نوازا ہے اس کا اللہ کی راہ میں مال لٹانا کتنی بڑی نیکی ہے لیکن یہ اسی صورت میں ہے جب کہ یہ انفاق (خرچ) خالصتہً لوجہ اللہ ہو۔ اگر نمود و نمائش کے لئے خرچ کیا ہو تو نہ صرف یہ کہ اس پر کوئی اجر مرتب نہیں ہوگا بلکہ ایسا شخص سزا کا مستحق قرار پائے گا۔ آج کتنے دولت مند ہیں جو لاکھوں روپیہ کار خیر میں صرف کرتے ہیں لیکن ان کے خرچ کرنے کا انداز نمائشی ہوتا ہے اور وہ نام نمود کے لئے بڑے بڑے چندے دیتے ہیں۔ ایسے لوگ اس حدیث سے عبرت حاصل کریں کہ ریاکاری کا کیسا بُرا انجام ہے۔

حسن عبادت

اور

حسن عمل

حسن عبادت کیلئے دعا

حدیث

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اَنَّ رَسُوْلَ ﷺ اَخَذَبِيَدِهٖ وَقَالَ : يَامُعَاذُ وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاُحِبُّکَ، فَقَالَ اُوْصِيْکَ يَامُعَاذُ لَا تَدَعَنَّ فِیْ دُبُرِ کُلِّ صَلَاةٍ تَقُوْلُ : اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَ شُکْرِکَ وَ حُسْنِ عِبَادَتِکَ . (ابوداؤد، ابواب الوتر)

ترجمه

حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: اے معاذ! اللہ کی قسم میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ پھر فرمایا میں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ اے معاذ! تم ہر نماز کے بعد یہ کہنا ترک نہ کرو: اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَ شُکْرِکَ وَ حُسْنِ عِبَادَتِکَ . ’’اے اللہ! میری مدد فرما کہ میں تیرا ذکر کروں، تیرا شکر کروں اور تیری عبادت خوبی کے ساتھ کروں۔ (ابوداؤد ابواب الوتر)

تشریح

نبی ﷺ نے بڑے مشفقانہ انداز میں حضرت معاذ کو نصیحت فرمائی جس میں ذکر وشکر اور حسن عبادت کیلئے ہر نماز کے بعد اللہ سے دعا کرنے کی ہدایت تھی۔ اللہ کا ذکر کرنا، اس کا شکر کرنا اور اس کی عبادت حسن وخوبی کے ساتھ کرنا اللہ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں۔ سورۂ فاتحہ کی آیت اِيَّاکَ نَعْبُدُ وَاِيَّاکَ نَسْتَعِيْن (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں) میں اس بات کی تعلیم ہے کہ اللہ کی عبادت کے لئے اللہ ہی سے مدد طلب کی جائے۔ مذکورہ حدیث اس آیت کریمہ سے کامل مطابقت رکھتی ہے۔

جو شخص ہر نماز کے بعد یہ دعا کرے گا بشرطیکہ وہ شعوری طور پر دعا کررہا ہو تو اس کی توجہ ذکر، شکر اور حسن عبادت کی طرف ہوگی اور اللہ تعالیٰ اسے اس کی توفیق عطاء فرمائے گا۔ حدیث سے یہ بھی ظاہر ہے کہ اللہ کی عبادت آدمی دل لگا کر کرے۔ محض بوجھ اتارنے کا کام نہ کرے۔ بلکہ اس میں حسن وخوبی پیدا کرے کہ یہی عبدیت کی شان ہے۔

اپنے اسلام میں خوبی پیدا کرو

حدیث

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اَحْسَنَ اَحَدُکُمْ اِسْلَامَهٗ فَکُلُّ حَسَنَةٍ يَّعْمَلُهَا تُکْتَبُ لَهٗ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰی سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ وَّ کُلُّ سَيِّئَةٍ يَّعْمَلُهَا تُکْتَبُ لَهٗ بِمِثْلِهَا. (البخاری کتاب الایمان)

ترجمه

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنے اسلام میں خوبی پیدا کرتا ہے تو ہر نیکی کے بدلہ جو وہ کرتا ہے اس کے لئے دس گنا سے سات سو گنا تک اجر لکھا جاتا ہے۔ اور جو برائی وہ کرتا ہے تو اس برائی کے بقدر ہی گناہ لکھا جاتا ہے۔ (بخاری کتاب الایمان)

تشریح

اپنے اسلام میں خوبی پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی احکام کی تعمیل میں خانہ پوری کا کام نہ کرے کہ کسی طرح بوجھ اتر جائے بلکہ احکام کی تعمیل حسن وخوبی کے ساتھ کرے یعنی بہتر سے بہتر طریقہ پر انجام دینے کی کوشش کرے۔ جب اللہ سے گہرا لگاؤ پیدا ہوجاتا ہے تو مؤمن اس کی اطاعت دل لگا کر کرتا ہے۔ ایسی صورت میں اسے ہر نیکی کا اجر کم سے کم دس گنا ملتا ہے اور جتنی خوبی پیدا کردی گئی ہو اس کی مناسبت سے یہ اجر مزید بڑھتا ہے یہاں تک کہ ایک نیکی کا اجر سات سو گنا ہوجاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی فیاضی ہے لیکن اگر ایسے شخص سے برائی کا صدور ہوا ہو تو اس کے بدلہ میں اس برائی کے بقدر ہی گناہ لکھا جاتا ہے اس سے زیادہ نہیں۔ یہ اس لئے کہ اللہ کی صفت عدل ہے وہ کسی پر زیادتی نہیں کرتا۔

نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا اور اس میں پیش پیش رہنا

حدیث

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَوْ یَعْلَمُ النَّاسُ مَافِی النِّدَآءِ وَالصَّفِّ الْاَوَّلِ ثُمَّ لَمْ یَجِدُوْٓا اِلَّا اَنْ یَّسْتَهِمُوْا عَلَیْهِ لَاسْتَهَمُوْا وَلَوْ یَعْلَمُوْنَ مَا فِی التَّهْجِیْرِ لَا سْتَبَقُوْٓا اِلَیْهِ وَلَوْ یَعْلَمُوْنَ مَا فِی الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ لَاتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا ۔ (البخاری کتاب الشہادات)

ترجمہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر لوگوں کو معلوم ہوتا کہ اذان اور پہلی صف میں کتنا اجر ہے پھر اس کے لئے قرعہ اندازی کرنا پڑتی تو وہ قرعہ اندازی کرتے اور اگر وہ جانتے کہ نماز ظہر کے لئے جلدی جانے میں کتنا اجر ہے تو وہ اس کے لئے سبقت کرتے اور اگر وہ جانتے کہ عشاء اور فجر کی نمازوں میں کتنا اجر ہے تو وہ اس میں ضرور شامل ہوتے خواہ انہیں گھٹنوں کے بل چلنا پڑتا۔ (بخاری کتاب الشھادت)

تشریح

اس حدیث میں اس بات کی ترغیب دی گئی ہے کہ مسلمان نماز کا اہتمام اس طرح کرے کہ اس عبادت کے لئے پیش پیش رہنے کی فضیلت اسے حاصل کرنے کے لئے وہ مستعد رہے کہ اس میں بہت بڑا اجر ہے۔ نماز کے لئے پہلی صف میں جگہ حاصل کرنے کے کوشش کرے کہ اس کے اجر کا لوگوں کو اندازہ نہیں ہے۔ اسی طرح نماز ظہر میں گرمی کی تپش برداشت کرنا پڑتی ہے اور عشاء اور فجر کی نمازوں میں جب کہ نیند کا غلبہ ہوتا ہے جماعت کے ساتھ ادا کرنے کی بہت بڑی فضیلت ہے۔ اس فضیلت کو اگر وہ جان لیتے تو ان نمازوں کو

جماعت کے ساتھ ادا کرنے میں سستی نہ دکھاتے۔

آج مسجدوں کا حال یہ ہے کہ لوگ اگلی صف میں رہنے کی بجائے پچھلی صفوں میں رہنا پسند کرتے ہیں، جماعت سے نماز پڑھنے والوں کی تعداد کم رہتی ہے اور فجر کی نماز میں تو اور بھی کم۔ اس حدیث کو اگر وہ پڑھ لیں تو عجب نہیں کہ ان میں نماز کے لئے پیش پیش رہنے کی تحریک پیدا ہو۔

ایسی نماز پڑھنا جو نہ پڑھنے کے برابر ہو

حدیث

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَدَخَلَ رَجُلٌ یُّصَلِّیْ فَسَلَّمَ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ فَرَدَّ فَقَالَ ارْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّکَ لَمْ تُصَلِّ فَرَجَعَ فَصَلّٰی کَمَا صَلّٰی ثُمَّ جَآءَ فَسَلَّمَ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ ارْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّکَ لَمْ تُصَلِّ ثَلاثاً فَقَالَ وَالَّذِیْ بَعَثَکَ بِالْحَقِّ مَآ اُحْسِنُ غَیْرَهٗ فَعَلِّمْنِیْ فَقَالَ اِذَاقُمْتَ اِلَی الصَّلٰوةِ فَکَبِّرْ ثُمَّ اقْرَاْ مَاتَیَسَّرَ مَعَکَ مِنَ الْقُرْآنِ ثُمَّ ارْکَعْ حَتّٰی تَطْمَئِنَّ رَاکِعاً ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰی تَعْتَدِلَ قَآئِماً ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰی تَطْمَئِنَّ سَاجِداً ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰی تَطْمَئِنَّ جَالِساً وَّ افْعَلْ فِیْ صَلٰوتِکَ کُلِّهَا. (البخاری کتاب صفة الصلٰوة)

ترجمہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں داخل ہوئے تو ایک شخص آیا اور اس نے نماز پڑھی۔ پھر نبی ﷺ کو سلام کیا تو آپ نے اس کا جواب دیا اور فرمایا۔ جاؤ اور نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی وہ شخص گیا اور پہلے کی طرح

نماز پڑھی پھر آیا اور نبی ﷺ کو سلام کیا۔ آپ نے فرمایا جاؤ اور نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی یہ بات آپ نے تین مرتبہ فرمائی۔ اس نے عرض کیا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اس سے بہتر نماز نہیں پڑھ سکتا لہٰذا مجھے آپ سکھایئے۔ آپ نے فرمایا جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو تکبیر کہو پھر قرآن جس قدر آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھو پھر رکوع کرو۔ یہاں تک کہ اطمینان کے ساتھ رکوع ہو جائے پھر سر اٹھاؤ یہاں تک کہ اعتدال کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔ پھر سجدہ کرو یہاں تک کہ اطمینان کے ساتھ بیٹھو۔ اس طرح اپنی پوری نمازیں کرلو۔

(بخاری کتاب صفۃ الصلوٰۃ)

تشریح

نبی ﷺ نے اس شخص کی نماز کو جس نے نماز کے ارکان اطمینان کے ساتھ ادا نہیں کئے تھے نماز نہ پڑھنے کے برابر قرار دیا اور اسے نماز دہرانے کے لئے فرمایا۔ صحیح نماز کا طریقہ آپ نے یہ بتلایا کہ اطمینان کے ساتھ رکوع، سجدہ وغیرہ کئے جائیں۔

آپ کی اس ہدایت کے باوجود آج بھی کتنے نمازی ہیں جو اپنی نمازیں ایسی عجلت میں ادا کرتے ہیں کہ گویا اپنے سر سے بوجھ اتارنے کا کام کر رہے ہیں۔ ابھی رکوع میں گئے نہیں تھے کہ کھڑے ہو گئے اور ٹھیک سے کھڑے ہو بھی نہیں پائے تھے کہ سجدہ میں چلے گئے اور سجدہ میں سر رکھا ہی تھا کہ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ ایسے لوگ دنیا کا کام تو دل لگا کر اور اطمینان کے ساتھ کر لیتے ہیں لیکن جہاں عبادت اور خاص طور سے نماز کا معاملہ آیا عجلت میں خانہ پوری کا کام کر دیا۔ ان کا دل نماز میں نہیں لگتا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے نماز کا اہتمام کرنے اور عجز و نیاز کے ساتھ اسے ادا کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ کتنا اچھا ہو کہ مسلمان اپنی نمازیں درست کرلیں!

نماز کی برکتیں

حدیث

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ اَرَاَیْتُمْ لَوْ اَنَّ نَهْرًا بِبَابِ اَحَدِكُمْ یَغْتَسِلُ فِیْهِ كُلَّ یَوْمٍ خَمْسًا مَّا تَقُوْلُ ذٰلِكَ یُبْقِیْ مِنْ دَرَنِهٖ قَالُوْا لَا یُبْقِیْ مِنْ دَرَنِهٖ شَیْئًا قَالَ فَذٰلِكَ مِثْلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ یَمْحُوا اللّٰهُ بِهَا الْخَطَایَا.

(البخاری کتاب مواقیت الصلوٰۃ)

ترجمہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: اگر تم میں سے کسی کے دروازے کے پاس نہر ہو اور وہ روزانہ پانچ وقت اس میں غسل کرے تو تمہارا کیا خیال ہے اس پر کچھ میل کچیل باقی رہے گا؟ صحابہ نے جواب دیا۔ اس پر کوئی میل کچیل باقی نہیں رہے گا۔ فرمایا تو یہ پانچ نمازوں کی مثال ہے جس کے ذریعہ اللہ خطاؤں کو مٹا دیتا ہے۔ (البخاری کتاب مواقیت الصلوٰۃ)

تشریح

اس مثال سے واضح ہوا کہ پانچ وقت کے نمازیں ایک مسلمان کے گناہوں کو کس طرح مٹا دیتی ہیں اور اسے کیسا پاکیزہ بنا دیتی ہیں۔ جس نماز کی یہ برکتیں ہوں اس کی پابندی اور اس کا اہتمام ایک مسلمان کو کتنی خوش دلی کے ساتھ کرنا چاہئے۔ مگر آج بیشتر مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ وہ نماز کو ایک بوجھ خیال کرتے ہیں اور بے نمازی بنے رہتے ہیں۔ ایسے لوگ فرائض ادا نہ کرنے کی بنا پر سخت گنہگار ہوتے ہیں اور نماز کی برکتوں سے بھی محروم رہتے ہیں۔

فجر اور عصر کی نماز کو وقت پر ادا کرنے کی ترغیب

حدیث

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ یَتَعَاقَبُوْنَ فِیْکُمْ مَلَائِکَةٌ بِاللَّیْلِ وَ مَلَائِکَةٌ بِالنَّهَارِ وَ یَجْتَمِعُوْنَ فِیْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَ صَلٰوةِ الْعَصْرِ ثُمَّ یَعْرُجُ الَّذِیْنَ بَاتُوْا فِیْکُمْ فَیَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِهِمْ کَیْفَ تَرَکْتُمْ عِبَادِیْ فَیَقُوْلُوْنَ تَرَکْنَاهُمْ وَهُمْ یُصَلُّوْنَ وَ اَتَیْنَا هُمْ وَ هُمْ یُصَلُّوْنَ ۔ (البخاری کتاب مواقیت الصلوۃ)

ترجمہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پاس رات اور دن کے ملائکہ یکے بعد دیگرے آتے رہتے ہیں۔ وہ نماز عصر اور نماز فجر میں اکٹھا ہوتے ہیں۔ پھر وہ ملائکہ جو تمہارے ساتھ رہے اوپر چلے جاتے ہیں۔ اس وقت ان کا رب ان سے پوچھتا ہے حالانکہ وہ ان سے زیادہ جاننے والا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا وہ کہتے ہیں ہم نے ان کو اس حال میں چھوڑا کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم ان کے پاس گئے تب بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ (البخاری کتاب مواقیت الصلوۃ)

تشریح

ہر شخص کے قول وعمل کو ضبط تحریر میں لانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرشتے مقرر کئے ہیں جس کی صراحت قرآن

کریم میں متعدد مقامات پر ہوئی ہے۔ اس حدیث سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اعمال نامہ تیار کرنے والے فرشتوں کا ایسا انتظام کیا ہے کہ رات اور دن کے فرشتے باری باری آتے رہتے ہیں۔ رات کے فرشتے جب رخصت ہو کر اللہ کے پاس پہنچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے سوال کرنے پر وہ اس بندے کا حال بیان کرتے ہیں جس پر ان کو متعین کیا گیا تھا اور وہ یہ کہ جب ہم ان کے پاس گئے تو وہ عصر کی نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم نے ان کو چھوڑا تو وہ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ اسی طرح دن کے فرشتے بھی رپورٹ پیش کرتے ہیں۔

جو شخص نماز کی پابندی کرتا ہے بالخصوص فجر کی نماز وقت پر ادا کرتا ہے اس کی کتنی اچھی رپورٹ اللہ کے حضور پیش ہوتی ہوگی لیکن جو شخص فجر کے وقت سوتا رہتا ہے یا نماز ہی سے غفلت برتتا ہے اس کی کتنی بری رپورٹ اللہ کے حضور پیش ہوتی ہوگی۔ عصر کا وقت بھی کاروبار میں مشغولیت کا ہوتا ہے تو جو شخص نماز عصر وقت پر ادا نہیں کرتا یا نماز ہی سے غفلت برتتا ہے اس کے بارے میں فرشتے اللہ کے حضور کیسی افسوسناک بات پیش کرتے ہوں گے۔ اس حدیث میں جہاں وقت پر نماز ادا کرنے والوں کے لئے خوشخبری ہے وہاں نماز سے غفلت برتنے والوں کے لئے عبرت کا سامان بھی ہے۔

بہترین عمل

حدیث

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِیَّ ﷺ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ الصَّلٰوۃُ لِوَقْتِھَا وَ بِرُّ الْوَالِدَیْنِ ثُمَّ الْجِھَادُ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ .

(البخاری کتاب التوحید)

ترجمہ

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے پوچھا کونسا عمل افضل ہے؟ فرمایا: وقت پر نماز پڑھنا اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنا پھر اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ (بخاری کتاب التوحید)

تشریح

ایک مؤمن کا کردار بلند ہوتا ہے قلبی لگاؤ کے ساتھ اللہ کی عبادت کرنے سے، حسن اخلاق سے اور دین کے لئے خطرہ مول لینے والی جدوجہد سے اور اس کے لئے قربانیاں دینے سے۔ مذکورہ حدیث میں ان تینوں اوصاف کو پیدا کرنے والے اعمال میں جو سرفہرست ہیں ان کا ذکر کیا گیا ہے۔

نماز اولین اہمیت رکھنے والی عبادت ہے اور اس کی وقت پر ادائیگی اس بات کا ثبوت ہے کہ نماز پڑھنے والے کو اللہ کی عبادت سے گہرا لگاؤ ہے۔ اسی لئے وہ دنیا کی مصروفیتیں کیسی ہی کیوں نہ ہوں نماز کو کبھی قضا ہونے نہیں دیتا بلکہ اس کو تمام کاموں پر ترجیح دیتا ہے بخلاف اس کے جس شخص کو اللہ کی عبادت سے گہرا لگاؤ نہیں ہوتا وہ اپنے دنیاوی کاموں میں ایسا مشغول ہوجاتا ہے کہ نماز وقت پر ادا کرنے کا اسے خیال نہیں رہتا۔ نتیجہ یہ کہ یا تو وہ بہت تاخیر سے مکروہ اوقات میں نماز پڑھتا ہے یا اس کی نماز قضا ہوجاتی ہے۔ نماز کی طرف سے یہ بے اعتنائی دین کے معاملہ میں ڈھیلا پن پیدا کردیتی ہے جو بہت بڑی کمزوری ہے۔

اخلاق انسانی کردار میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے اور اس سے زندگی سنورتی ہے۔ والدین جنہوں نے پرورش کی وہ اس بات کے سب سے زیادہ مستحق ہیں کہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے۔ اسی لئے حدیث میں اس کا شمار بہترین اعمال میں کیا گیا ہے۔ اس سے اندازہ لگایئے کہ جو شخص اپنے والدین کے ساتھ بُرا سلوک کرتا ہے وہ کیسا بد اخلاق ہے اور کتنا بڑا گناہ اپنے سر لے رہا ہے۔ موجودہ زمانہ میں تو ایسی اولاد پیدا ہورہی ہیں جو ماں باپ کو گالیاں بھی دیتی ہے اور مار پیٹ بھی کرتی ہے یہ کیسی بداخلاقی ہے اور کتنی بڑی معصیت ہے جس کی وہ جسارت کررہے ہیں!

اللہ کی راہ میں جہاد کو بہترین عمل قرار دیا گیا ہے کیونکہ یہ اللہ کے لئے جاں نثاری اور سرفروشی ہے۔ جو شخص اتنی بڑی قربانی کے لئے تیار ہوجاتا ہے وہ اللہ اور اس کے دین سے شدید محبت کا ثبوت دیتا ہے اور دین میں اصل اہمیت ان اعمال ہی کی ہے جن میں کسی نہ کسی قسم کی قربانی دینا پڑے۔ جب ایک مؤمن اپنے دین کی خاطر خواہشات کی قربانی دینے، اپنے مال ومتاع کو قربان کرنے، اپنے گھربار کو چھوڑ دینے حتی کہ اپنی جان کو قربان کرنے کے لئے تیار ہوجاتا ہے تو وہ اپنے ایمان کی پختگی اور کردار کی بلندی کا ثبوت دیتا ہے۔

نماز باجماعت کی فضیلت

حدیث

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ صَلٰوۃُ الْجَمَاعَۃِ تَفْضَلُ صَلٰوۃُ الْفَذِّ بِسَبَعٍ وَّ عِشْرِیْنَ دَرَجَۃً. (بخاری کتاب صلوۃ الجماعۃ)

ترجمہ

حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نماز باجماعت تنہا نماز سے ستائیس درجہ افضل ہے۔ (بخاری کتاب صلوۃ الجماعۃ)

تشریح

جب نماز باجماعت انفرادی نماز کے مقابلہ میں ستائیس درجہ افضل ہے تو جماعت میں شریک ہو کر اس کی فضیلت کو کیوں نہ حاصل کیا جائے۔ مگر کتنے نمازی ایسے ہیں جو جماعت سے نماز پڑھنے سے یا تو بے پرواہ ہوتے ہیں یا سستی دکھاتے ہیں۔ وہ گھر میں نماز پڑھنا پسند کرتے ہیں حالانکہ گھر میں نماز کسی عذر ہی کی بنا پر پڑھی جا سکتی ہے۔ اگر کسی شخص کو معلوم ہو جائے کہ ایک چیز قریب کی جگہ پر فروخت کر دینے سے ایک روپیہ کا نفع ہو جاتا ہے اور بازار میں فروخت کر دینے سے ستائیس روپے کا تو کون ہے جو بازار میں جا کر مال فروخت کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرے گا؟ حیرت ہے کہ دنیا کے فائدے حاصل کرنے کے لئے تو انسان مشقت اور تکلیف سب کچھ گوارا کر لیتا ہے لیکن اخروی فائدے حاصل کرنے کے معاملے میں سہل انگاری دکھاتا ہے!

وضو کے اثر سے چہرے روشن

حدیث

عَنْ نُعَیْمِ الْمُجْمِرِ قَالَ رَقِیْتُ مَعَ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَلٰی ظَهْرِ الْمَسْجِدِ فَتَوَضَّاَ فَقَالَ اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ اِنَّ اُمَّتِیْ یُدْعَوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ غُرًّا مُحَجَّلِیْنَ مِنْ اٰثَارِ الْوُضُوْءِ فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ یُّطِیْلَ غُرَّتَهٗ فَلْیَفْعَلْ ۔ (البخاری کتاب الوضوء)

ترجمہ

نعیم المجمر کہتے ہیں کہ میں ابو ہریرہؓ کے ساتھ مسجد کے اوپر چڑھا۔ انہوں نے وضو کیا اور فرمایا میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت کو قیامت کے دن اس حال میں بلایا جائے گا کہ ان کے چہرے اور ان کے ہاتھ وضوء کے اثر سے روشن ہوں گے۔ تو جو کوئی

اپنے چہرے کے روشن حصہ کو بڑھانا چاہتا ہو وہ بڑھا لے۔ (بخاری کتاب الوضوء)

تشریح

تعبدی احکام یعنی وہ احکام جو خالص عبادت کی نوعیت کے ہیں ان کی مصلحتوں کو ہم نہیں جانتے یا جانتے ہیں تو جزئی طور پر لیکن ان کی تعمیل مصلحتوں کے جاننے پر موقوف نہیں ہے بلکہ تعمیل کے لئے یہ جان لینا کافی ہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام ہیں۔ ان احکام میں کتنا بڑا خیر ہے وہ قیامت کے دن ظاہر ہوگا۔ مثال کے طور پر وضوء میں چہرہ اور ہاتھوں کو دھونا ہے۔ اس کا جو اثر قیامت کے دن ظاہر ہوگا وہ یہ کہ چہرہ اور ہاتھ روشن ہوں گے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تعبدی احکام میں اللہ تعالیٰ نے کیسا کچھ خیر رکھا ہے جو ہماری نظروں سے مخفی ہے لیکن قیامت کے دن ہمارے سامنے آئے گا۔ مگر جن لوگوں کو اللہ پر بھروسہ نہیں ہے وہ تعبدی احکام کی مصلحتیں ظاہر نہ ہونے کی بنا پر مطمئن نہیں ہو پاتے اور چاہتے ہیں کہ ہر حکم کی مصلحت پہلے ان پر ظاہر ہو اس کے بعد وہ اس کی تعمیل کریں گے۔ یہ رویہ کسی مخلص مؤمن کا نہیں ہو سکتا۔

حدیث کے اخیر میں یہ جو فرمایا ہے کو جو کوئی اپنے چہرہ کے روشن حصہ کو بڑھانا چاہتا ہو وہ بڑھا لے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ چہرہ کی جو حد ہے اس سے کچھ زیادہ ہی دھوئے تاکہ حکم کی تعمیل بخوبی ہو لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ چہرہ کے ساتھ گردن اور کان بھی دھو ڈالے۔ اسی طرح ہاتھ دھونے میں ایسا مبالغہ نہ ہو کہ کندھوں تک دھو ڈالے بلکہ کہنیوں سے کچھ زیادہ دھوئے۔ اگر زیادہ مبالغہ کیا جاتا ہے تو یہ سنت کے خلاف ہوگا چنانچہ سنت میں کان کا مسح کرنا ثابت ہے نہ کہ دھونا۔

بہترین صدقہ

حدیث

عَنْ حَکِیْمِ بْنِ حِزَامٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنَ الْیَدِ السُّفْلٰی وَ ابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ وَ خَیْرُ الصَّدَقَةِ مَا كَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنًی وَّمَنْ یَّسْتَعْفِفْ یُعِفَّهُ اللّٰهُ وَمَنْ یَّسْتَغْنِ یُغْنِهِ اللّٰهُ. (البخاری کتاب الزکوۃ)

ترجمہ

حکیم بن حزام سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے اور صدقہ کا آغاز اپنے زیر کفالت لوگوں سے کرو۔ بہترین صدقہ وہ ہے جو غنیٰ (غیر محتاجی کی حالت) کو برقرار رکھتے ہوئے کیا جائے۔ جو شخص عفت چاہے گا اللہ اسے عفت عطاء کرے گا اور جو شخص غنیٰ (بے نیازی) چاہے گا اللہ اسے غنیٰ عطاء کرے گا۔ (بخاری کتاب الزکوۃ)

تشریح

اس حدیث میں پانچ اہم باتیں ارشاد ہوئی ہیں: ایک یہ کہ اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے یعنی صدقہ دینے والا ہاتھ صدقہ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ بالفاظ دیگر صدقہ دینا بڑی فضیلت کا کام ہے۔ دوسرے یہ کہ صدقہ کی ترغیب کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اپنے بال بچوں کو بھوکا مار کر صدقہ کرو بلکہ اپنے اہل وعیال کی کفالت کی جو ذمہ داری تم پر عائد ہوتی ہے اس کو پہلے پورا کرو کہ یہ بھی ایک طرح کا صدقہ ہے۔ اس کے بعد دوسروں پر صدقہ کرو۔ تیسرے یہ کہ صدقہ اس طرح نہ کیا جائے کہ صدقہ دینے والا خود محتاج اور دوسروں کا دست نگر بن کر رہ جائے بلکہ اپنی غیر محتاجی کی حالت (غنا) کو برقرار رکھتے ہوئے صدقہ کیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ سب کچھ صدقہ کر کے اپنے کو اس طرح قلاش نہ بنایا جائے کہ اب معاش کا کوئی ذریعہ نہ رہے اور دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانا پڑے۔ چوتھے یہ کہ جو شخص اللہ سے عفت یعنی پاک دامنی چاہے گا اللہ تعالیٰ اسے پاک دامنی عطاء کرے گا یعنی اس کے کردار کو پاکیزہ بنائے گا اور اس کو پرہیزگاری عطاء کرے گا۔ پانچویں یہ کہ جو شخص غنا یعنی بے نیازی چاہے گا اللہ تعالیٰ اسے غناء عطاء کرے گا یعنی جو شخص یہ چاہے گا کہ وہ کسی کا محتاج نہ بنے تو اللہ تعالیٰ اس کو کسی کا محتاج نہیں بنائے گا اور ایسے اسباب کرے گا کہ اس کی غیرت کو ٹھیس نہ لگے۔

استعفاف اور استغناء بہترین اوصاف ہیں جو کردار کو بلند کر دیتے ہیں۔ ان اوصاف کو آدمی اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرے اور اللہ سے مخلصانہ دعا کرے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کو ان اوصاف سے نوازے گا۔

عظیم صدقہ

حدیث

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اَتٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَجُلٌ فَقَالَ : یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَیُّ الصَّدَقَةِ اَعْظَمُ ؟ فَقَالَ اَنْ تَصَدَّقَ وَ اَنْتَ صَحِیْحٌ شَحِیْحٌ. تَخْشَی الْفَقْرَ وَ تَأَمَلُ الْغِنٰی . وَلَا تُمْهِلْ حَتّٰی اِذَابَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ قُلْتَ لِفُلَانٍ كَذَاوَلِفُلَانٍ كَذَا اَلَاوَقَدْ كَانَ لِفُلَانٍ. (مسلم کتاب الزکاۃ)

ترجمہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور پوچھا اے اللہ کے رسول! کونسا صدقہ عظیم ہے؟ فرمایا وہ صدقہ جو تم اس حال میں کرو کہ تندرست ہو اور اپنے مال کو للچائی ہوئی نظر سے دیکھ رہے ہو، فقر کا اندیشہ رکھتے ہو اور مالدار بننے کی امید ہو۔ صدقہ دینے میں اتنی دیر نہ کرو کہ جان حلق تک پہنچ جائے اور تم کہنے لگو کہ فلاں کو اتنا دو اور فلاں کو اتنا جب کہ وہ فلاں کا ہو چکا۔ (مسلم کتاب الزکاۃ)

تشریح

صدقہ وہ مالی قربانی ہے جو اللہ کے لئے کی جائے خواہ وہ محتاجوں اور مسکینوں کو دیا جائے یا اللہ کے دین کی اشاعت اور جہاد فی سبیل اللہ پر خرچ کیا جائے۔ یہ صدقہ نہایت عظیم بن جاتا ہے اس صورت میں جب کہ نفسیاتی طور پر آدمی کے لئے صدقہ دینا بارگراں ہو جس کا نقشہ حدیث میں اسی طرح کھینچا گیا ہے کہ تم تندرست ہو اور اپنے مال کو للچائی ہوئی نظر سے دیکھتے ہو۔ خرچ کرنے پر افلاس کا اندیشہ محسوس کرتے ہو اور مال کو جمع کر کے مالدار بن جانے کی توقع ہو۔ اس نفسیاتی کیفیت کے علی الرغم (برخلاف) تم صدقہ کرو تو یقیناً

یہ بہت بڑی قربانی ہوگی۔

رہا وہ صدقہ جو آدمی موت کے حلق تک پہنچنے کی صورت میں کرنا چاہئے تو اس کا کیا موقع وہ تو وارثوں کا ہو چکا۔ مطلب یہ ہے کہ موت کے فرشتہ کو دیکھ کر آدمی اپنے مال کو صدقہ کرنے کی تمنا کرتا ہے مگر بے سود۔ اس وقت وہ وصیت بھی نہیں کرسکتا کہ موت نے اس کو دبوچ لیا ہے۔

روزہ ایمانی کیفیت کے ساتھ

حدیث

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ . (البخاری کتاب الایمان)

ترجمہ

حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے رمضان کے روزے ایمان واحتساب کے ساتھ رکھے اس کے گذشتہ گناہ معاف کردئے جائیں گے۔

تشریح

رمضان کے روزے ایک فریضہ اور اہم عبادت ہیں ۔ اس عبادت میں حسن اسی صورت میں پیدا ہوسکتا ہے جبکہ روزے ایمان واحتساب کی کیفیت کے ساتھ رکھے جائیں۔ ایمان کی کیفیت جو ایک باطنی کیفیت ہے اللہ کی صفات کے استحضار سے پیدا ہوتی ہے مثلاً یہ کہ وہ حاضر وناظر ہے، بندوں کے حالات اور ان کی نیتوں کو وہ اچھی طرح جانتا ہے، ان کی عبادتوں کی خوبیوں اور نقائص کا اسے بخوبی علم ہے، وہ اپنے بندوں کی ہر بات سنتا ہے اوران کو ہر وقت دیکھ رہا ہے۔ ان کا کوئی عمل اوران کی کوئی حرکت اس سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔

احتساب کی کیفیت کا مطلب یہ ہے کہ اس عبادت پر وہ اللہ سے اجر کا امیدوار رہو۔ اللہ سے اجر کی امید اللہ سے محبت پیدا کرتی ہے اوراس سے تعلق مضبوط ہوتا ہے نیز آخرت کا یقین پیدا ہوتا ہے اس حدیث سے یہ بات خودبخود واضح ہوتی ہے کہ روزے محض رسمی نہیں ہونے چاہیں یعنی رمضان کے روزے اس لئے نہ رکھے جائیں کہ اس مہینہ میں عام طور سے مسلمان روزے رکھتے ہیں اور نہ دکھاوے کے لئے روزے رکھیں جائیں کہ ہم روزے دار کہلائیں گے یہ عبادت اللہ کی خوشنودی کے لئے کی جائے اور اسی سے اس کا اجر طلب کیا جائے۔

حج میں پرہیزگاری

حدیث

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ یَرْفُثْ وَلَمْ یَفْسُقْ رَجَعَ کَیَوْمٍ وَّ لَدَتْهُ اُمُّهٗ. (البخاری کتاب الحج)

ترجمہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے لئے حج کیا جس میں نہ کسی بے حیائی کا ارتکاب کیا اورنہ گناہ کا تو وہ اس طرح لوٹے گا جیسے ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ (بخاری کتاب الحج)

تشریح

حج میں حج کرنے والے کے صبر کا امتحان ہوتا ہے خاص طور سے شرم وحیاء کی پاسداری، اپنے ساتھیوں کے ساتھ اچھا سلوک بھیڑ بھاڑ میں کسی کو تکلیف نہ دینا لڑائی جھگڑے سے پرہیز اور ہر قسم کے گناہ سے دور رہنا۔ یہ باتیں آسان نہیں ہیں لیکن مشکلات کو برداشت کئے بغیر اعلیٰ درجہ کا کوئی کام انجام نہیں پاسکتا اسی لئے حج میں تقویٰ کا زادِراہ ساتھ لینے کی قرآن میں ہدایت کی گئی ہے اورحج کے مقدس سفر میں اگر تقویٰ کی تربیت

نہ ہوسکی تو اور کہاں ہوگی؟ مثال کے طور پر حج میں خواتین بھی ہوتی ہیں اور شرم وحیاء کا تقاضہ یہ ہے کہ نظریں نیچی رکھی جائیں لیکن جو شخص شہوت کی نگاہ سے عورتوں کو دیکھتا ہے وہ شرم وحیاء کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتا ہے۔ اسی طرح جو شخص دوسروں کو دھکے دے کر آگے بڑھتا ہے وہ گناہ کا کام کرتا ہے اور جو شخص ہر قسم کے گناہ سے بچتا ہے وہ حج کی ایسی سعادت حاصل کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکے تمام سابقہ گناہ بخش دیتا ہے۔ یہاں تک کے اس پر گناہ کا کوئی داغ باقی نہیں رہتا گویا وہ ماں کے پیٹ سے ابھی پیدا ہوا ہے جس پر گناہ کا کوئی داغ نہیں ہے۔

موجودہ زمانے میں حج کرنے والوں کی بڑی کثرت ہوگئی ہے لیکن کتنے ہی مسلمان محض رسمی حج کر لیتے ہیں انہیں سفر حج سے جتنی دلچسپی ہوتی ہے اتنی حج سے نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حج کے بعد ان میں اصلاح کا کوئی عمل دکھائی نہیں دیتا۔ انہیں سمجھ لینا چاہئے کے حج کی جو فضیلت حدیث میں بیان ہوئی ہے وہ رسمی حج کی نہیں ہے بلکہ اس حج کی ہے جس کی خصوصیات قرآن وحدیث میں بیان ہوئی ہیں۔

افضل عمل

حدیث

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ اِیْمَانٌ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ قِیْلَ ثُمَّ مَا ذَا قَالَ جِهَادٌ فِی سَبِیْلِ اللّٰهِ قِیْلَ ثُمَّ مَا ذَا قَالَ حَجٌّ مَّبْرُوْرٌ. (البخاری کتاب الحج)

ترجمہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ سے پوچھا گیا کون سا عمل افضل ہے۔ فرمایا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ پوچھا گیا پھر کونسا؟ فرمایا جہاد فی سبیل اللہ، پوچھا گیا پھر کونسا؟ فرمایا حج مبرور۔

تشریح

ایمان کی فضیلت تو تمام اعمال پر ظاہر ہے۔ اس کے بغیر کوئی عمل خواہ وہ کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو اللہ کے یہاں مقبول نہیں ہے اس لئے اس پر کوئی اجر نہیں ملے گا۔ ایمان کے بعد جو اعمال زیادہ فضیلت رکھنے والے ہیں ان کو نبی ﷺ نے موقع ومحل کے لحاظ سے بیان فرمایا ہے۔ اگر اللہ کی راہ میں جہاد کا موقع ہو تو وہ افضل عمل ہوگا کیونکہ اس میں ایک مؤمن اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر نکلتا ہے اور اللہ کے دشمنوں کا مردانہ وار مقابلہ کرتا ہے۔ اس کے بعد حج مبرور کا درجہ ہے۔ گویا حج اسلام کے پانچ ارکان میں شامل ہے لیکن اگر جہاد کا اعلان ہوگیا ہو تو موقع کے لحاظ سے جہاد کو اولیت حاصل ہوگی۔ حج مبرور کا مطلب ایسا حج ہے جس میں مناسک صحیح طور پر ادا کئے گئے ہوں۔ جس میں اللہ کی توحید کا اقرار رہا ہو اور جو شرک اور بدعات کی آمیزش سے پاک ہو۔ جس میں خلوص وللّٰہیت ہو اور ریا کاری اور دکھاوا نہ ہو۔ ایسا حج اللہ کے یہاں مقبول ہے اور حدیث میں ایسے ہی حج کو حج مبرور سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ایصال ثواب نہیں صدقۂ جاریہ

حدیث

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ. اِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِیَةٍ اَوْ عِلْمٍ یُنْتَفَعُ بِهٖ، اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ یَدْعُوْلَهٗ.

(مسلم کتاب الوصیۃ)

ترجمہ

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب آدمی

مرجاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے بجز تین چیزوں کے ۔ ایک صدقہ جاریہ دوسرے علم جس سے فائدہ اٹھایا جاتا رہے اور تیسرے صالح اولاد جو اسکے لئے دعا کرے ۔ (مسلم کتاب الوصیۃ)

تشریح

اس حدیث میں واضح طور سے بیان کیا گیا ہے کہ مرنے کے بعد انسان کے عمل کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے بجز تین صورتوں کے:

ایک صدقہ جاریہ یعنی وہ کار خیر جو اس نے وقف کی شکل میں انجام دیا ہو اور اس کے مرنے کے بعد لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں ۔ مثلاً مسجد، درسگاہ، کنواں، مسافر خانہ، اسپتال وغیرہ۔

دوسرے علم کا ورثہ جس سے لوگ اس شخص کے مرنے کے بعد بھی استفادہ کرتے رہیں مثلاً دین کی تعلیم، دعوتی و اصلاحی کتب، صالح لٹریچر، قرآن و سنت میں بصیرت پیدا کرنے والی تحریریں اور وہ کیسیٹ جو اشاعت دین کا ذریعہ بنیں اور اعلائے کلمۃ اللہ کا جذبہ پیدا کریں ۔ تیسرے صالح اولاد جو اپنے ماں باپ کے لئے مغفرت کی دعا کرتی ہے ۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے اپنی اولاد کی اس طرح تربیت کی کہ وہ صالح بن گئی لہٰذا انکے صالح بننے میں ماں باپ کے عمل کا ضرور دخل ہے اس لحاظ سے وہ اجر کے مستحق ہیں جب تک کہ اولاد صالح بن کر زندگی گذارتی ہے ۔ ان کا اپنے ماں باپ کے لئے دعائے مغفرت کرنا ان کے اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کو ظاہر کرتا ہے ۔ جو اللہ کے نزدیک نہایت پسندیدہ ہے۔

حدیث میں یہ تین صورتیں جو بیان ہوئی ہیں ان میں سے ہر ایک میں انسان کے اپنے عمل کا دخل ہے اور وہ اپنے اسی عمل کی بنا پر جس کا فیض دوسروں کو پہنچ رہا ہے اجر کا مستحق ہے ۔ اس کا کوئی تعلق ایصال ثواب سے نہیں ہے کیونکہ ایصال ثواب میں تو اپنے عمل کا ثواب کسی ایسے شخص کی روح کو بخشا جاتا ہے جس کا انتقال ہو گیا ہے ۔ یہ حدیث درحقیقت ایصال ثواب کی جڑ کاٹ دیتی ہے کیونکہ اس میں واضح طور سے بتایا گیا ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد صرف تین صورتیں ہیں جو اس کے اجر کو جاری رکھتی ہیں اور یہ تین صورتیں وہ ہیں جن میں اس کے عمل کا سلسلہ جاری رہتا ہے لہٰذا جس کام میں اس کے اپنے عمل کا کوئی دخل نہ ہو اس کا ثواب اس کو

ملنے کا کیا سوال ؟ مثال کے طور پر قرآن خوانی جو کسی شخص کے لئے اس کے مرنے کے بعد کی جاتی ہے اس کا ثواب اس کو کس طرح پہنچے گا جب کہ اس کے عمل کا اس میں کوئی دخل نہیں ۔ دین میں جزائے عمل کا جو قائدہ کلیہ مقرر ہے اس سے ایصال ثواب کا طریقہ ہرگز مناسبت نہیں رکھتا یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام کے درمیان اس کا رواج بالکل نہیں رہا بلکہ یہ طریقہ بعد میں لوگوں نے ایجاد کر کے رائج کیا۔

ایصال ثواب کی تائید میں دعا کو پیش کیا جاتا ہے حالانکہ دعا اللہ تعالیٰ سے ایک درخواست ہے نہ کہ ایصال ثواب اور دعا تو زندہ اور مردہ دونوں کے لئے کی جاتی ہے تو کیا ایصال ثواب بھی دونوں کے لئے کیا جا سکتا ہے؟ اور دعا کافروں کے لئے بھی ان کی ہدایت کے لئے کی جا سکتی ہے تو کیا یہ ایصال ثواب ہے؟

ذکر الٰہی

اللہ کے نزدیک محبوب کلمات

حدیث

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ كَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ . (البخاری کتاب التوحید)

ترجمہ

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: دو کلمے ایسے ہیں جو رحمٰن کو محبوب ہیں، زبان پر ہلکے اور میزان میں ثقیل ہیں۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ ”اللہ کے لئے پاکی ہے اور اس کی حمد کے ساتھ ہے۔“ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ ”عظمت والے اللہ کے لئے پاکی ہے۔“ (البخاری کتاب التوحید)

تشریح

امام بخاری نے اپنی صحیح بخاری کا اختتام اسی حدیث پر کیا ہے تاکہ ذکر الٰہی کی فضیلت واضح ہو اور حدیث کے مختصر مگر پُر مغز کلمات قارئین کے زبان زد ہو جائیں۔ یہ کلمے جو اس کی پاکی، اس کی حمد اور اس کی عظمت کے ذکر پر مشتمل ہیں اس کی توحید کا اظہار و اعلان ہیں۔

اللہ کے لئے پاکی ہے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر قسم کے عیب، نقص، کمزوری، خطا و نسیان اور ان باتوں سے جو اسکے شایانِ شان نہیں پاک اور منزہ ہے۔ اس کو مخلوق پر ہرگز قیاس نہیں کیا جا سکتا اور اللہ کی پاکی اس کی حمد کے ساتھ بیان کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ نہ صرف ان چیزوں سے پاک ہے بلکہ وہ خوبیوں اور کمالات سے متصف ہے اور اس کے لئے تعریف ہی تعریف ہے مثلاً یہ کہ وہ الٰہ العالمین اور رب العالمین ہے، رحمٰن و رحیم ہے، سمیع و بصیر اور علیم و خبیر ہے، ہر چیز پر قادر، مالک، حاکم اور بادشاہ حقیقی ہے۔ اس طرح

پہلے کلمہ میں اللہ کی تنزیہ کے ساتھ اس کے کمالات اور اس کے مستحق تعریف ہونے کا ذکر مثبت طور سے ہوا ہے۔ دوسرے کلمہ میں بھی اللہ کی تنزیہ کے ساتھ اس کی عظمت کی صفت بیان ہوئی ہے جو مثبت پہلو ہے۔

یہ کلمے زبان پر ہلکے ہیں یعنی ان کو آدمی آسانی سے ادا کرسکتا ہے۔ ایک غیر عربی داں کے لئے بھی ان کو یاد کرنا اور ادا کرنا کچھ مشکل نہیں اور ان کی خوبی یہ ہے کہ وہ اللہ کی میزان میں بھاری ہیں یعنی جو شخص ان کلمات کے ساتھ اللہ کا ذکر کرے گا وہ بہت بڑے اجر کا مستحق ہوگا کیونکہ یہ اللہ کو بہت محبوب ہیں۔ اور اللہ کو جو چیز محبوب اور پیاری ہو اس کو اس کے مؤمن بندے کیوں نہ محبوب رکھیں؟ اور چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے ان کلمات کے ساتھ اللہ کا ذکر کرکے آخرت کی دولت کیوں نہ کمائیں۔ واضح رہے کہ دین کے معاملے میں جن مسلمانوں کی فکر متوازن نہیں وہ ذکر الٰہی اور تسبیح وتحمید کو وہ اہمیت نہیں دیتے جو دینا چاہئے اس لئے وہ ان چیزوں کا زیادہ اہتمام بھی نہیں کرتے حالانکہ ان کا دین میں جو مقام ہے وہ قرآن وسنت سے بالکل واضح ہے اور ان کی فضیلت کے لئے یہ بات کافی ہے کہ فرشتے عرش کے گرد تسبیح وتحمید میں مشغول رہتے ہیں۔

ذکرِ الٰہی سے شعور بیدار ہوتا ہے

حدیث

عَنْ اَبِیْ مُوْسیٰ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ مَثَلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ رَبَّهٗ وَ الَّذِیْ لَا یَذْکُرُ مَثَلُ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ . (البخاری کتاب الدعوات)

ترجمہ

ابوموسیٰؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اس شخص کی مثال جو اپنے رب کو یاد کرتا ہے اور جو اپنے رب کو یاد نہیں کرتا زندہ اور مُردہ کی سی ہے۔ (بخاری کتاب الدعوات)

تشریح

زندہ انسان میں شعور ہوتا ہے جب کہ مُردہ انسان بے حس ہوتا ہے۔ اللہ کے ذکر سے انسان کا شعور بیدار

ہوتا ہے جب کہ اس کو یاد نہ کرنے سے وہ غفلت میں پڑا رہتا ہے۔ اللہ کی یاد روح کی غذا ہے اور اس کی بالیدگی کا ذریعہ۔ درحقیقت انسان کی زندگی اس کی روح ہی سے عبارت ہے۔ یہ جسمانی آنکھیں کان وغیرہ جسم کے آلات ہیں مگر اصلاً قوت سماعت، قوت بصارت اور قوت گویائی روح (نفس) کے اندر ہوتی ہے بالفاظ دیگر ہر انسان درحقیقت اندر کا انسان ہے یہی وجہ ہے کہ ہم آنکھیں بند کرکے بھی ایک طرح سے دیکھتے رہتے ہیں اور کان بند کرکے بھی اندر آواز کی گونج سنائی دیتی ہے۔ یہی اندر کا انسان (روح یا نفس) ہے جو مرنے کے بعد بھی زندہ رہتا ہے اور اس کی تقویت اور بیداری کا ذریعہ ذکرِ الٰہی ہے۔ جو شخص اس سے غافل اور بے پرواہ رہتا ہے اسکی روح پر مردنی چھا جاتی ہے۔

تسبیح کے کلمات کا محبوب ہونا

حدیث

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَأَنْ اَقُوْلَ : سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ ، اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَیْهِ الشَّمْسُ .

(مسلم کتاب الذکر)

ترجمہ

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ (اللہ کیلئے پاکی ہے اور اللہ کیلئے حمد ہے اور کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا اور اللہ بہت بڑا ہے) کہوں یہ مجھے ان تمام چیزوں سے زیادہ پسند ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے۔ (مسلم کتاب الذکر)

تشریح

اس ارشاد رسول سے تسبیح، حمد اور تکبیر کے کلمات کی معنویت کا اندازہ ہوتا ہے اور ان کی تمام چیزوں پر

فوقیت بھی ظاہر ہوتی ہے کہ دنیا کی تمام چیزیں ان کے سامنے ہیچ ہیں کیونکہ زبان پر ان کلمات کا جاری ہونا بہت بڑی عبادت ہے۔ یہ ذکر الٰہی کی بہترین شکل ہے اور ان کلمات کے ذریعہ بندہ کا تعلق اپنے رب سے مضبوط ہو جاتا ہے اور اس کی محبت بڑھ جاتی ہے۔ آدمی جتنی شعوری کیفیت کے ساتھ ان کو ادا کرے گا اتنا ہی وہ ان سے فیضیاب ہوگا۔ دنیا کا سرو سامان آج ہے اور کل نہیں لیکن یہ کلمات اس کو حیات ابدی بخشنے والے ہیں۔

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے علم دین میں بصیرت بخشی ہے وہ ان کلمات کو زبان سے ادا کرنے کی قدر خوب جانتے ہیں اور ان کی قدر وہی لوگ گھٹاتے ہیں جو دین کا سطحی علم رکھتے ہیں اور اس کی اصل اسپرٹ سے نا آشنا ہیں۔

اس موقع پر یہ بات بھی ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ دین میں اگر ایک عمل کی فضیلت بیان ہوئی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مجرد اس عمل پر اس کو یہ فضیلت حاصل ہوگی خواہ وہ فرائض کا تارک ہی کیوں نہ ہو اور اس کی زندگی فاسقانہ ہی کیوں نہ ہو۔ قرآن نے جزائے عمل کے تعلق سے جو اصولی باتیں بیان کی ہیں ان کے پیش نظر اس قسم کا مفہوم لینے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اہل دانش سے یہ بات بھی پوشیدہ نہیں ہے کہ ایک بات مطلقاً بیان کی جاتی ہے لیکن معہود ذہنی (ذہن میں حاضر بات) کے طور پر کتنی ہی شرطیں (Ifs &buts) لگی ہوئی ہوتی ہیں۔

مذاکراتی نشستیں

حدیث

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیْ قَالَ: خَرَجَ مُعَاوِیَةُ عَلٰی حَلْقَةٍ فِی الْمَسْجِدِ فَقَالَ: مَا اَجْلَسَکُمْ ؟ قَالُوْ ا : جَلَسْنَا نَذْکُرُ اللّٰہَ قَالَ : اَللّٰہِ ! مَا اَجْلَسَکُمْ اِلَّا ذَاکَ ؟ قَالُوْا : وَاللّٰہِ مَا اَجْلَسَنَا اِلَّاذَاکَ . قَالَ: اَمَا اِنِّی لَمْ اَسْتَحْلِفُکُمْ تُھْمَةً لَکُمْ . وَمَا کَانَ اَحَدٌ بِمَنْزِلَتِیْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ اَقَلَّ عَنْہُ حَدِیْثاً مِنِّی. وَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ خَرَجَ عَلٰی حَلْقَةٍ مِنْ اَصْحَابِہٖ. فَقَالَ مَا اَجْلَسَکُمْ ؟ قَالُوْا : جَلَسْنَا نَذْکُرُ اللّٰہَ وَ نَحْمَدُہٗ عَلٰی مَا ھَدَانَا لِلْاِسْلَامِ، وَمَنَّ بِہٖ عَلَیْنَاقَالَ اللّٰہِ مَا اَجْلَسَکُمْ اِلَّا ذَاکَ؟ قَالُوْا: وَاللّٰہِ مَا اَجْلَسَنَا اِلَّا ذَاکَ . قَالَ اَمَا اِنِّیْ لَمْ اَسْتَحْلِفُکُمْ تُھْمَةً لَکُمْ . وَلٰکِنَّہٗ اَتَانِیْ جِبْرِیْلُ فَاَخْبَرَنِیْ ، اَنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَ جَلَّ یُبَاھِیْ بِکُمُ الْمَلَآئِکَةَ.
(مسلم کتاب الذکر)

ترجمہ

حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ نے مسجد میں لوگوں کو ایک حلقہ کی صورت میں بیٹھے ہوئے دیکھا تو پوچھا تم یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ انہوں نے کہا اللہ کا ذکر کرنے کے لئے بیٹھے ہیں۔ حضرت معاویہ نے پوچھا تم کیا واللہ اسی کام کے لئے بیٹھے ہو! انہوں نے کہا واللہ ہم اسی کام کے لئے بیٹھے ہیں۔ حضرت معاویہؓ نے کہا میں نے تمہارے لئے کوئی بُرا گمان رکھ کر تم سے قسم کھانے کے لئے نہیں کہا (بلکہ ایک حدیث کی بنا پر کہا)۔ اور ایسے لوگوں میں جو مجھ جیسا مقام رسول اللہ ﷺ کے پاس رکھتے تھے مجھ سے زیادہ کم حدیثیں

بیان کرنے والا کوئی نہیں ۔ (ایک مرتبہ) رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے ایک حلقہ میں تشریف لائے اور پوچھا تم یہاں کیوں بیٹھے ہو! انہوں نے کہا ہم اس لئے بیٹھے ہیں تا کہ اللہ کا ذکر کریں اور اس نے ہم کو اسلام کی جو ہدایت دی اور جو احسان ہم پر کیا اس پر ہم اس کی حمد (شکر) کریں۔ آپ نے پوچھا کیا تم اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہو کہ اسی مقصد سے بیٹھے ہو؟ انہوں نے کہا واللہ ہم اسی مقصد سے بیٹھے ہیں۔ آپ نے فرمایا! میں نے تمہارے بارے میں بُرا گمان کر کے تمہیں قسم کھانے کے لئے نہیں کہا بلکہ اس لئے کہا کہ جبریل میرے پاس آئے تھے اور مجھے بتلایا کہ اللہ عزوجل تم لوگوں پر ملائکہ کے سامنے فخر کرتا ہے۔

(مسلم کتاب الذکر)

تشریح

صحابہ کرام کی یہ نشست جس کا ذکر اس حدیث میں ہوا ہے اور جس کی نبی ﷺ نے قدر افزائی کی مذاکرہ کی نوعیت کی نشست تھی جیسا کہ ان صحابہ کے بیان سے واضح ہے جو اس میں شریک تھے چنانچہ انہوں نے کہا کہ ہم اس لئے بیٹھے ہیں کہ اللہ کا ذکر کریں اور اس نے ہم کو اسلام کی جو ہدایت دی اور جو احسان ہم پر کیا اس پر ہم اس کا شکر ادا کریں۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ ذکر کی کوئی رسمی مجلس نہیں تھی اس لئے اس حدیث کو مروجہ مجالس ذکر کے لئے دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔ ذکر کی مروجہ مجلسوں میں تسبیح وتہلیل کے کلمات مخصوص تعداد میں مثلاً ایک لاکھ یا سوا لاکھ بار ادا کرنے کے لئے لوگ حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے ہیں اور کلمات کا شمار گٹھلیوں وغیرہ پر کرتے ہیں۔ اور پھر ان کا ثواب کسی پیر یا ولی یا پھر کسی ایسے شخص کو جس نے وفات پائی ہو بخش دیتے ہیں۔ یہ طریقہ نہ سنت سے ثابت ہے اور نہ صحابہ کرام نے کبھی ایسی مجلسیں منعقد کی تھیں۔

اصولی بات یہ ہے کہ عبادت کی نوعیت کا ہر وہ عمل جس کا تعلق افراد سے ہے اجتماعی شکل دینا جب کہ شریعت نے اس کو اجتماعی شکل نہیں دی ہے اپنی طرف سے شریعت میں اضافہ کرنا ہے البتہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کو انجام دینے کے لئے اجتماعی شکل اختیار کی جا سکتی ہے۔ مثلاً درس قرآن کی نشستیں، افہام وتفہیم اور مذاکرہ کے پروگرام، خطاب عام، دعوتی وتبلیغی اجتماعات، تعلیم وتدریس کے پروگرام وغیرہ۔

جهاد فی سبیل الله

جہاد کی فضیلت

حدیث

عَنْ اَبِیْ هُـرَیْـرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ دُلَّنِیْ عَلٰی عَمَلٍ یَـعْـدِلُ الْـجِـهَـادَ قَـالَ لَا اَجِدُهٗ قَالَ هَلْ تَسْتَطِیْعُ اِذَا خَرَجَ الْمُجَاهِدُ اَنْ تَدْخُلَ مَسْجِدَکَ فَتَقُوْمَ وَلَا تَفْتُرَ وَ تَصُوْمَ وَلَا تُفْطِرَ قَالَ وَمَنْ یَّسْتَطِیْعُ ذٰلِکَ .

(البخاری کتاب الجہاد)

ترجمہ

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا مجھے ایسا عمل بتائیے جو جہاد کے برابر ہو۔آپ نے فرمایا مجھے ایسا کوئی عمل نظر نہیں آتا۔کیا تم یہ کرسکتے ہو کہ جب مجاہد جہاد کے لئے نکلے تو تم اپنی مسجد میں جا کر متواتر نماز پڑھتے رہو اور وقفہ نہ کرو اور مسلسل روزے رکھو اور افطار نہ کرو۔اس نے عرض کیا یہ کون کرسکتا ہے۔(بخاری کتاب الجہاد)

تشریح

نماز اور روزہ اسلام کے پانچ ارکان میں شامل ہیں جبکہ جہاد ان میں شامل نہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ پانچ عبادتیں مستقل ہیں جب کہ جہاد کا تعلق حالات سے ہے۔یہ کبھی فرض عین ہوتا ہے اور کبھی فرض کفایہ۔پھر جہاد کا تعلق اجتماعیت سے ہے اور اس کے لئے قیادت بھی ضروری ہے لیکن ارکان خمسہ تو ہر شخص اپنے طور پر ادا کرسکتا ہے۔ان کی ادائیگی اجتماعیت پر موقوف نہیں گو نماز اور حج میں اجتماعیت کی شان ہوتی ہے۔لیکن جب مسلمانوں کے لئے اللہ کی راہ میں جہاد ضروری ہو جاتا ہے تو جو شخص جہاد کے لئے نکل کھڑا ہوتا ہے اس کا یہ عمل اجر کے اعتبار سے دوسری عبادتوں پر فوقیت رکھتا ہے کیونکہ وہ اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے اپنی جان کی

بازی لگا دیتا ہے اور اپنا مال بھی قربان کرتا ہے، اس لئے مذکورہ حدیث میں جہاد فی سبیل اللہ کی بہت بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے۔

واضح رہے کہ اسلام میں جہاد وہی ہے جو اللہ کے دین کی خاطر اس کے دشمنوں سے لڑنے کے لئے کیا جائے۔خواہ وہ دفاعی نوعیت کا ہو یا اقدامی نوعیت کا یعنی دین کو غالب کرنے کے لئے۔ جہاد کے لئے ضروری ہے کہ منظّم ہو کر امیر کی قیادت میں لڑیں اور اس تیاری کہ ساتھ کے دشمنان اسلام کے غلبہ کو ختم کیا جا سکے اور اقتدار اہل ایمان کو حاصل ہو۔یہ وہ باتیں ہیں جو جہاد کو **فساد فی الارض** سے ممتاز کر دیتی ہیں۔

موجودہ زمانہ میں کچھ مسلمانوں نے دہشت گردی کا نام جہاد رکھا ہے حالانکہ یہ صریح طور سے **فساد فی الارض** ہے کیونکہ اس سے جہاد فی سبیل اللہ کا مقصد حاصل نہیں ہوتا البتہ بے گناہوں کا خون بہایا جاتا ہے اور تباہی کا سامان کیا جاتا ہے۔اسی طرح مسلمانوں کی آپس کی خانہ جنگی جو ذاتی اقتدار کے حصول کے لئے ہوتی ہے جہاد فی سبیل اللہ کی تعریف میں نہیں آتی۔

وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ

”اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔“

(سورۂ حج ۔۷۸)

دنیا کے مقابلہ میں جنت

حدیث

عَنْ سَهْلٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ مَوْضِعُ سَوْطٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا وَلَغَدْوَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا.

ترجمہ

حضرت سہل کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: جنت میں ایک کوڑے کے بقدر جگہ دنیا اور مافیھا سے بہتر ہے اور اللہ کی راہ میں ایک صبح یا ایک شام گزارنا دنیا اور مافیھا سے بہتر ہے۔ (بخاری کتاب الرقاق)

تشریح

دنیا اور اس کی تمام نعمتوں کے مقابلہ میں جنت کی چند گز زمین بہتر ہے کیونکہ جنت جاودانی ہے اور دنیا عارضی۔ جنت کی نعمتیں اللہ تعالیٰ کا انعام ہیں جبکہ دنیا کی نعمتیں آزمائش۔ جنت کی نعمتیں نہایت اعلیٰ ہیں جبکہ دنیا کے نعمتیں اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔ جنت کا ماحول نہایت پاکیزہ ''پرسکون'' پرامن اور مسرت بخش ہوگا جہاں نہ غم ہوگا اور نہ خوف لیکن دنیا کا ماحول ان تمام خصوصیات سے خالی ہے پھر دنیا کی طرف دوڑنے کے بجائے آدمی جنت کی طرف کیوں نہ دوڑے۔

حدیث میں دوسری بات یہ ارشاد ہوئی ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے ایک صبح یا ایک شام گزارنا دنیا اور اس کی تمام نعمتوں کے حصول سے بہتر ہے کیونکہ جہاد کے لئے جب ایک مؤمن نکلتا ہے تو اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر نکلتا ہے۔ اللہ کے راہ میں اس کی سرفروشی کا یہ جذبہ اللہ کے نزدیک نہایت قابل قدر ہے اور جہاد میں اگر وہ تھوڑا وقت بھی گزار سکا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت عطا فرمائے گا جو دنیا و مافیھا سے بہتر ہے۔
اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام میں جہاد کی کتنی بڑی فضیلت ہے۔

اصل کمزوری

حدیث

عَنْ ثُوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : يُوْشِكُ الْاُمَمُ اَنْ تَدَاعٰى عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْاَكَلَةُ اِلٰى قَصْعَتِهَا، فَقَالَ قَائِلٌ: وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ؟ قَالَ بَلْ اَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيْرٌ، وَلٰكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ، وَلَيَنْزِعَنَّ اللّٰهُ مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ، وَلَيَقْذِفَنَّ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمُ الْوَهْنَ ، فَقَالَ قَائِلٌ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الْوَهْنُ ؟ قَالَ : حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ. (ابوداؤد کتاب الملاحم)

ترجمہ

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قریب ہے کہ قومیں تمہارے خلاف ایک دوسرے کو اسی طرح بلائیں گی جس طرح کھانے والے کھانے کے پیالہ کی طرف ایک دوسرے کو بلاتے ہیں۔ ایک شخص نے عرض کیا: کیا یہ اس وجہ سے ہوگا کہ اس وقت ہم تعداد میں کم ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: نہیں بلکہ اس وقت تم تعداد میں زیادہ ہوگے لیکن تمہارا حال سیلاب کے جھاگ جیسا ہوگا۔ اللہ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہاری ہیبت نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں وھن ڈال دے گا۔ کسی نے عرض کیا اے اللہ کے رسول وھن کیا ہے؟ فرمایا: دنیا سے محبت اور موت کو ناگوار خیال کرنا۔ (ابوداؤد کتاب الملاحم)

تشریح

اس حدیث کے ایک راوی ابوعبدالسلام مجہول ہیں۔ یعنی ان کا حال معلوم نہیں لیکن علامہ البانی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث مسند احمد میں ابواسماء الرجبی سے مروی ہے جو ثقہ ہیں اور یہ حدیث صحیح ہے (الاحادیث

الصحیحہ ج۲ ص ۶۸۴ للالبانی) اور جہاں تک حدیث کے متن (مضمون) کا تعلق ہے اس میں کوئی نکارت نہیں ہیں۔ قصعة کھانے کے بڑے پیالہ کو کہتے ہیں۔

اس ارشادِ رسول میں مسلمانوں کو آئندہ جن حالات سے دوچار ہونا ہوگا اس کی خبر دی گئی ہے۔ مسلمانوں پر مختلف اقوام کی یورش ہوگی جب کہ مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگی لیکن وہ اپنی اہمیت کھو چکے ہوں گے اور ان کی ہیبت دشمنوں کے دلوں سے نکل چکی ہوگی۔ مسلمانوں میں بڑی کمزوری پیدا ہو چکی ہوگی اور یہ کمزوری نتیجہ ہوگی اس بات کی کہ ان کے دلوں میں دنیا کی محبت بیٹھ گئی ہوگی اور وہ زیادہ سے زیادہ جینا چاہتے ہوں گے اس لئے دین کی خاطر جانفروشی کے لئے وہ آمادہ نہیں ہوں گے۔ مطلب یہ کہ جہاد فی سبیل اللہ کی اسپرٹ ان میں باقی نہیں رہے گی اس لئے دشمنوں کا مقابلہ کرنے کا ان میں حوصلہ نہیں ہوگا۔

موجودہ دور کے مسلمانوں کا حال کچھ ایسا ہی ہے۔ ان کو اپنے مقصدِ حیات کا شعور نہیں اور وہ بُری طرح دنیا پرستی میں مبتلا ہیں۔ جہاں انہیں اقتدار حاصل ہے وہاں وہ عیش کوشی میں مبتلا ہیں اور جہاد کا جذبہ سرد پڑ چکا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ خس و خاشاک کی طرح ہو کر رہ گئے ہیں اور ان کے دشمن ان پر مسلط ہو رہے ہیں۔ کافر قومیں ان پر یلغار کر رہی ہیں اور وہ بری طرح پسے جا رہے ہیں۔ ان کا حال بنی اسرائیل کا سا ہو رہا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے دنیا والوں پر فضیلت بخشی تھی اور اقتدار عطاء کیا تھا مگر ان کی ناشکری اور ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان پر بخت نصر جیسے ظالم حکمراں مسلط کئے گئے۔ کاش مسلمان اس حدیث کی روشنی میں اپنی حالت کا جائزہ لیتے!

اس اُمت کا ایک گروہ جو قیامت تک حق پر قائم رہے گا

حدیث

قَالَ مُعَاوِيَةُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ لَا يَزَالُ مِنْ أُمَّتِي أُمَّةٌ قَائِمَةٌ بِأَمْرِ اللّٰهِ مَا يَضُرُّهُمْ مَنْ كَذَّبَهُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ.

(البخاری کتاب التوحید)

ترجمہ

حضرت معاویہؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہے گا۔ اسے نہ جھٹلانے والے نقصان پہنچا سکیں گے اور نہ مخالفت کرنے والے یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ جائے اور وہ اسی حال میں ہوگا۔

(بخاری کتاب التوحید)

تشریح

اس امت کو جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے ''خیر امت'' اور ''امت وسط'' بنایا گیا ہے تاکہ وہ لوگوں پر دین حق کی گواہ ہو۔ صحابہ کرام نے ٹھیک ٹھیک اس پر عمل کیا اور اس لقب کا اعزاز پانے کے مستحق ہوئے لیکن بعد کے دور میں جب کہ ہر طرح کے لوگ اس امت میں شامل ہوتے رہے اپنی کمزوریوں پر قابو نہ پا سکے نتیجہ

یہ کہ امت میں بگاڑ کا آغاز ہوا اور جوں جوں تعداد میں کثرت ہوتی چلی گئی بگاڑ میں اضافہ ہی ہوتا رہا یہاں تک کہ ہم موجودہ دور کے مسلمانوں کو دیکھتے ہیں کہ ان میں زبردست بگاڑ پیدا ہو گیا ہے۔ بگاڑ کے اس تسلسل کے باوجود کوئی دور ایسا نہیں رہا جس میں حق کی آواز بلند کرنے والے بالکل نہ رہے ہوں بلکہ ایک نہ ایک تعداد خواہ وہ کتنی قلیل کیوں نہ رہی ہو دین حق کی صحیح معنی میں پیرو رہی ہے اور اس کی گواہی دیتی رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی توفیق سے ہر زمانہ میں اس امت کے اندر ایسے لوگ پیدا کرتا رہا ہے تاکہ امت مسلمہ کا مقصد وجود بالکل فوت نہ ہو جائے اور اللہ کی حجت لوگوں پر برابر قائم ہوتی رہے۔

حدیث میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ آئندہ جب امت میں بگاڑ عام ہو جائے گا تو ایک گروہ۔ گروہ سے مراد تعداد ہے نہ کہ کسی مخصوص جگہ پر پایا جانے والا گروپ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ضرور ایسا ہوگا جو اللہ کے حکم یعنی حق پر قائم رہے گا اور اس کی گواہی دے گا۔ یہ لوگ ناخوشگوار حالات میں بھی اپنی جگہ اٹل رہیں گے اور کوئی طاقت ان کو اپنی جگہ سے ہٹا نہ سکے گی۔ ان پر حق کو جھٹلانے والوں کا کوئی اثر نہیں ہوگا اور نہ وہ مخالفتوں سے دبیں گے بلکہ وہ پہاڑ کی طرح حق پر جمے رہیں گے۔

حدیث کے الفاظ سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ گروہ (یہ لوگ) بڑا اقبال مند ہوگا اور اس کے لئے اخروی کامیابی کی بشارت ہے۔ کاش کہ اس سعادت کو حاصل کرنے کے لئے لوگ مسابقت دکھاتے!

بھلائی کا حکم دینے اور بُرائی سے روکنے کا فریضہ

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کو ترک کرنے پر عذاب

حدیث

عَنْ حُذَیْفَۃَ بْنِ الْیَمَانِ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ : وَ الَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَتَأمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْھَوُنَّ عَنِ الْمُنْکَرِ اَوْلَیُوْشِکَنَّ اللّٰہُ اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْکُمْ عِقَاباً مِنْہُ فَتَدْعُوْنَہٗ فَلَا یَسْتَجِیْبُ لَکُمْ ...... ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ . (الترمذی ابواب الفتن)

ترجمہ

حضرت حذیفہ بن یمان سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم معروف کا حکم کرو گے اور منکر سے روکو گے ورنہ قریب ہے کہ اللہ تم پر عذاب بھیج دے گا پھر تم دعا کرو گے تو وہ قبول نہیں کرے گا۔۔۔۔۔۔ یہ حدیث حسن ہے۔(ترمذی ابواب الفتن)

تشریح

بھلائی کا حکم دینا اور بُرائی سے روکنا امت مسلمہ کا اہم ترین فریضہ ہے۔اس فریضہ کو اجتماعی طور سے ترک کرنے کے نتیجہ میں اجتماعی بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔اور جب اجتماعی بگاڑ پیدا ہوجاتا ہے تو اللہ کا عذاب بھی کسی نہ کسی شکل میں مسلط ہوجاتا ہے۔اس حال میں عذاب کو دور کرنے کے لئے جو دعا کی جائے گی وہ قبول نہیں ہوگی تاوقتیکہ اصلاح نہ کی جائے ۔ اور یہ افسوسناک حقیقت ہے کہ آج مسلمانوں میں بگاڑ عام ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے والے خال خال ہی نظر آتے ہیں۔نتیجہ یہ کہ مسلمان اجتماعی طور پر جس صورت حال سے دوچار ہیں اس میں تبدیلی کے لئے دعائیں بے اثر ہوکر رہ گئی ہیں۔اگر وہ اس فریضہ کو انجام دینے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں تو یقیناً حالات بدل سکتے ہیں۔

منکر سے نہ روکنے کا انجام اجتماعی ہلاکت

حدیث

عَنِ النُّعْمَانَ بْنِ بَشِیْرٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ مِثْلُ الْمُدْھِنِ فِیْ حُدُوْدِ اللّٰہِ وَالْوَاقِعُ فِیْھَا مِثْلُ قَوْمٍ اسْتَھَمُوْا سَفِیْنَۃً فَصَارَ بَعْضُھُمْ فِیْٓ اَسْفَلِھَا فَصَارَ بَعْضُھُمْ فِیْٓ اَعْلَاھَا فَکَانَ الَّذِیْ فِیْٓ اَسْفَلِھَا یَمُرُّوْنَ بِالْمَآءِ عَلَی الَّذِیْنَ فِیْٓ اَعْلَاھَا فَتَاَذَّوْ بِہٖ فَاَخَذَ فَاْساً فَجَعَلَ یَنْقُرُ اَسْفَلَ السَّفِیْنَۃِ فَاَتَوْہُ فَقَالُوْا مَالَکَ قَالَ تَاَذَّیْتُمْ بِیْ وَلَا بُدَّلِیْ مِنَ الْمَآءِ فَاِنْ اَخَذُوْ عَلٰی یَدَیْہِ اَنْجَوْہُ وَ نَجَّوْٓا اَنْفُسَھُمْ وَ اِنْ تَرَکُوْہُ فَاَھْلَکُوْہُ وَ اَھْلَکُوْٓا اَنْفُسَھُمْ . (البخاری کتاب الشہادات)

ترجمہ

نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ کے حدود پر قائم رہنے والے اور ان کو توڑنے والے کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جنہوں نے کشتی میں سوار ہونے کے لئے قرعہ اندازی کی۔کچھ لوگوں کے حصہ میں اوپر کا طبقہ آیا اور کچھ لوگوں کے حصہ میں نیچے کا طبقہ، نیچے کے طبقہ والوں کو جب پانی کی ضرورت ہوتی تو وہ اوپر والوں کے پاس جاتے جس سے وہ تکلیف محسوس کرتے انہوں نے کہا کیوں نہ ہم اپنے طبقہ میں سوراخ کرلیں تاکہ اوپر والوں کو زحمت دینے سے بچیں۔اس صورت میں اگر اوپر والے ان کا ہاتھ پکڑ لیتے ہیں تو ان کو بھی بچا لیتے ہیں اور خود بھی بچ جاتے ہیں اور اگر ان کو چھوڑ دیتے ہیں تو ان کو بھی ہلاک کردیتے ہیں اور خود کو بھی۔(بخاری کتاب الشہادت)

تشریح

یہ بہترین مثال ہے اس بات کی کہ منکر (برائی) سے نہ روکنے کا انجام کس طرح اجتماعی ہلاکت کی شکل میں نکلتا ہے اور اگر بروقت منکر سے روکا گیا تو لوگ کس طرح اجتماعی ہلاکت سے بچ جاتے ہیں۔ کشتی میں جو لوگ اوپر کے طبقہ میں بیٹھے ہیں ان کا نیچے کے طبقہ والوں کا اوپر آ کر پانی لینے پر تکلیف محسوس کرنا اور اس پر اعتراض کرنا نچلے طبقہ والوں کو غلط رخ پر ڈالنے کا باعث ہے ان کو چاہیئے کہ نیچے کے طبقہ والوں کی مجبوری کا خیال کرتے اور خوش دلی سے ان کو پانی لینے دیتے۔

جو لوگ اللہ کے حدود پر قائم رہتے ہیں اور ساتھ ہی ان کو توڑنے والوں کے ہاتھ پکڑ لیتے ہیں وہ پورے معاشرہ کو ہلاکت سے بچاتے ہیں لیکن جب حدود الٰہی کو توڑنے والوں کو روکنے والا کوئی نہ ہو تو انجام معاشرہ کی تباہی کی صورت میں نکلتا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کتنا اہم فریضہ ہے اور اس فریضہ کو انجام نہ دینے پر آخرت میں کیسی سخت باز پرس ہوگی۔

لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ . لَبِئْسَ مَا كَانُوْ يَصْنَعُوْنَ . (سورۃ المائدہ : ٦٣)

”ان کے علماء اور فقہاء ان کو گناہ کی بات کرنے اور حرام کھانے سے روکتے کیوں نہیں؟ بہت بُری حرکت ہے جو یہ کر رہے ہیں۔“

سرراہ بیٹھنے سے گریز کرنا

حدیث

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیّ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اِیَّاکُمْ وَ الْجُلُوْسَ عَلَی الطُّرُقَاتِ فَقَالُوْ مَالَنَا بُدٌّ اِنَّمَا هِیَ مَجَالِسُنَا نَتَحَدَّثُ فِیْهَا . (قَالَ) فَاِذَا اَبَیْتُمْ اِلَّا الْمَجَالِسَ فَاَعْطُوْا الطَّرِیْقَ حَقَّهَا قَالُوْا وَمَا حَقُّ الطَّرِیْقِ قَالَ غَضُّ الْبَصَرِ وَ كَفُّ الْاَذٰی وَرَدُّ السَّلَامِ وَاَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهْیٌ عَنِ الْمُنْكَرِ . (البخاری کتاب المظالم)

ترجمہ

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: راستوں پر بیٹھنے سے گریز کرو۔ لوگوں نے کہا ہمارے لئے ناگریز ہے۔ ہم وہاں بیٹھ کر بات چیت کرتے ہیں۔ فرمایا: اگر تمہارے لئے وہاں بیٹھنا ضروری ہے تو راستہ کا حق ادا کرو۔ لوگوں نے پوچھا راستہ کا کیا حق ہے؟ فرمایا نظریں نیچی رکھنا، ایذا رسانی کو روکنا، سلام کا جواب دینا، معروف کا حکم دینا اور منکر سے روکنا۔ (بخاری کتاب المظالم)

تشریح

راستوں پر بیٹھ کر بات چیت کرنا مناسب نہیں ہے کیونکہ اس سے انسان کا وقار بھی متاثر ہوتا ہے اور سرراہ جو بُری باتیں سامنے آتی ہیں ان کو وہ انگیز کرنے لگتا ہے۔ اسی لئے نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے لیکن اگر راستوں پر بیٹھنا ضروری ہی ہو تو آپ نے راستہ کا حق ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی گزرنے والی عورتوں کو نہ دیکھے بلکہ اپنی نظریں نیچی رکھے، راستہ میں کوئی ایسی چیز ہو جو لوگوں کو تکلیف پہنچانے والی ہو تو اسے دور کرے مثلاً کیلا، کانٹا، کیلے کا چھلکا وغیرہ دیکھے تو اسے دور کرے، گزرنے والے لوگ سلام کریں تو بے رخی نہ برتے بلکہ سلام کا جواب دے۔ بھلی باتوں کا حکم کرے اور جو منکر (برائی) نظر آئے اس سے لوگوں کو روکنے کی کوشش کرے۔

اس حدیث سے یہ اصولی رہنمائی ملتی ہے کہ ایک مسلمان کو اگر کسی ایسی جگہ جانا پڑا جہاں منکر کا ارتکاب ہوتا ہو تو اسے چاہئیے کہ وہ اس منکر کے خلاف آواز اٹھائے یا اس سے لوگوں کو منع کرے۔

راستوں سے تکلیف دہ چیزوں کو دور کرنا

حدیث

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ بَیْنَمَا رَجُلٌ یَّمْشِیْ بِطَرِیْقٍ وَّجَدَ غُصْنَ شَوْکٍ فَاَخَذَهٗ فَشَکَرَ اللّٰهُ لَهٗ فَغَفَرَ لَهٗ . (البخاری کتاب المظالم)

ترجمہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک شخص راہ چل رہا تھا کہ اس نے کانٹوں بھری شاخ دیکھی تو اسے اٹھایا۔ اللہ نے اس کی قدر کی اور اسے بخش دیا۔

تشریح

اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ اس شخص نے دوسری کوئی نیکی کی ہی نہیں تھی بلکہ مطلب یہ ہے کہ راہ سے کانٹے ہٹانا ایک ایسی نیکی ہے جس کو ہوسکتا لوگ خاطر میں نہ لائیں لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ بڑی قابل قدر نیکی ہے اور اسکے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی جس نے کانٹوں بھری شاخ ہٹائی تھی مغفرت فرمادی۔

معلوم ہوا کہ کسی بھی نیک عمل کو معمولی سمجھ کر نظر انداز نہیں کرنا چاہئیے۔ ہوسکتا ہے اس کے صلہ میں مغفرت ہوجائے۔ حدیث کے مفہوم میں ہر قسم کی تکلیف دہ چیزیں راستہ سے ہٹانا شامل ہے خواہ وہ کانٹا ہو، پن ہو، بلیڈ ہو، پتھر ہو یا کیلے کا چھلکا جس سے پاؤں پھسل کر ہڈی کا فریکچر ہوسکتا ہے۔ کیسی بہترین تعلیم ہے جو نبی ﷺ نے مسلمانوں کو دی ہے مگر موجودہ معاشرہ کا حال یہ ہے کہ لوگ تکلیف دہ چیزیں راستہ پر پھینک دیتے ہیں اور ان کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ ان چیزوں سے دوسروں کو کیا تکلیف پہنچے گی۔ وہ نیکی کمانے کے بجائے بدی کماتے ہیں۔ کاش انہیں اس کا احساس ہوتا!

دعوت و تبلیغ

دعوت وتبلیغ کا اجر

حدیث

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ دَعَا اِلٰی هُدًی کَانَ لَهٗ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ اُجُوْرِ مَنْ تَبِعَهٗ لَا یَنْقُصُ ذٰلِکَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَیْئًا. وَمَنْ دَعَا اِلٰی ضَلَالَةٍ کَانَ عَلَیْهِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ تَبِعَهٗ، لَا یَنْقُصُ ذٰلِکَ مِنْ آثَامِهِمْ شَیْئًا. (مسلم کتاب العلم)

ترجمہ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے ہدایت کی طرف بلایا تو اس کو اتنا اجر ملے گا جتنا اس پر عمل کرنے والوں کو ملے گا۔ ان کے اجر میں کوئی کمی نہیں کی جائیگی اور جس نے گمراہی کی طرف بلایا تو اس کو اتنا ہی گناہ ہوگا جتنا اس پر چلنے والوں کو ہوگا اور ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں کی جائیگی۔ (مسلم کتاب العلم)

تشریح

اس حدیث میں دعوت وتبلیغ کا کام کرنے والوں کے لئے حوصلہ افزائی کا سامان ہے۔ ہدایت کی طرف بلانے والے کو اتنا اجر ملے گا جتنا اس کو قبول کرنے اور عمل کرنے والوں کو ملے گا۔ اتنے بڑے اجر کو اگر ایک داعی اور مبلغ پیش نظر رکھے تو وہ زیادہ سے زیادہ دعوتی کام میں سرگرم ہوکر رہ جائے گا۔ آج کے ماحول میں جبکہ ہر طرف گمراہی پھیلی ہوئی ہے دعوت وتبلیغ کا کام بہت بڑے پیمانے پر انجام دینے کی ضرورت ہے مگر اس کی توفیق بہت کم لوگوں کو نصیب ہورہی ہے۔

مذکورہ حدیث میں اس بات پر بھی متنبہ کیا گیا ہے کہ جو شخص گمراہی پھیلاتا ہے وہ اپنے گناہوں میں اتنا ہی

اضافہ کرتا ہے جتنا گناہ اس گمراہی کو قبول کرنے والوں کو ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ ہدایت وہی ہے جس کو قرآن وسنت میں پیش کیا گیا ہے اور اجر اسی ہدایت کی طرف بلانے پر ہے اور یہی دعوت اسلامی ہے۔ بدعات وخرافات اور بے سروپا روایتوں کی طرف دعوت دینا دعوت اسلامی نہیں ہے بلکہ گمراہی کی دعوت ہے۔

دعوت میں تدریج

حدیث

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ مُعَاذًا قَالَ: بَعَثَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنَّکَ تَأْتِیْ قَوْماً مِنْ اَهْلِ الْکِتَابِ فَادْعُهُمْ اِلٰی شَهَادَةِ اَنَّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ. فَاِنْ هُمْ اَطَاعُوْا لِذَلِکَ فَاَعْلِمْهُمْ اَنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَیْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ وَلَیْلَةٍ. فَاِنْ هُمْ اَطَاعُوْ لِذٰلِکَ فَاَعْلِمْهُمْ اَنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَیْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِیَائِهِمْ فَتُرَدُّ فِیْ فُقَرَائِهِمْ. فَاِنْ هُمْ اَطَاعُوْا لِذٰلِکَ فَاِیَّاکَ وَ کَرَائِمَ اَمْوَالِهِمْ وَ اتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّهٗ لَیْسَ بَیْنَهَا وَبَیْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ. (مسلم کتاب الایمان)

ترجمہ

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ حضرت معاذ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے (یمن) بھیجا تو فرمایا: تم ایسے لوگوں کے پاس جاؤ گے جو اہل کتاب میں سے ہیں تو انہیں بلاؤ اس بات کی طرف کہ وہ شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ پھر جب وہ اسے مان لیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ نے ان پر رات اور دن میں پانچ نمازیں فرض

کی ہیں۔ پھر جب وہ اس کو مان لیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور ان کے محتاجوں کو دی جائے گی۔ پھر جب وہ اس کو مان لیں تو ان کے عمدہ مال کو لینے سے احتراز کرو اور مظلوم کی بددعا سے بچو کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا۔ (مسلم کتاب ایمان)

تشریح

نبی ﷺ نے حضرت معاذ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تھا۔ اس وقت انہیں جو ہدایت دی تھیں وہ غیر مسلموں کو اسلام کی طرف بلانے کے تعلق سے نہایت اہم ہیں:

پہلی بات تو یہ ہے کہ غیر مسلموں کو اس بات کی دعوت دی جانی چاہئیے کہ وہ اللہ کو ایک الہٰ (معبود) مانیں اور حضرت محمد ﷺ کو اس کا رسول۔ یہ قبولِ اسلام کی براہ راست دعوت ہے اور یہی صحیح طریقہ دعوت ہے۔ موجودہ دور میں دعوت وتبلیغ کی خدمت انجام دینے والے اسلام کے تعارف پر اکتفاء کرتے ہیں اور قبول اسلام کی براہِ راست دعوت دینے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہیں جس کی وجہ سے دعوت وتبلیغ کا کام ناقص رہ جاتا ہے اور اس کے مطلوبہ نتائج سامنے نہیں آتے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جو لوگ اسلام قبول کرلیں ان سے شرعی احکام کی تعمیل کا مطالبہ کرنے میں ضروری حد تک تدریج کو اختیار کرنا چاہئے۔ اس میں اولیت نماز کو دی جانی چاہئے اور اس کے بعد زکوٰۃ کو۔

تیسری بات یہ ہے کہ نماز پانچ وقت کی فرض ہے۔ **چوتھی** بات یہ ہے کہ زکوٰۃ کا اولین مصرف محتاجوں کی مدد ہے۔ **پانچویں** بات یہ ہے کہ زکوٰۃ ان لوگوں پر فرض ہے جو شرعی اصطلاح میں غنی ہیں یعنی محتاج نہیں ہیں۔ بالفاظ دیگر جو صاحب نصاب ہیں۔ **چھٹی** بات یہ ہے کہ زکوٰۃ کو مالداروں سے وصول کرنا اور محتاجوں میں تقسیم کرنا اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ **ساتویں** بات یہ ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے پر جو لوگ مامور ہوں وہ چھانٹ چھانٹ کر اچھا مال نہ لیں بلکہ توسط کو ملحوظ رکھیں۔ **آٹھویں** بات یہ ہے کہ حکمراں طبقہ کسی پر ظلم نہ کرے کہ مظلوم کی آہ مالک عرش تک براہِ راست پہنچ جاتی ہے۔

نظم و اجتماعیت

اجتماعی نظم کو قائم رکھنے کیلئے سمع وطاعت ضروری ہے

حدیث

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اَلسَّمْعُ وَ الطَّاعَةُ عَلَی الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِیْمَا اَحَبَّ وَکَرِهَ مَالَمْ یُؤْمَرْ بِمَعْصِیَةٍ فَاِذَا اُمِرَ بِمَعْصِیَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَاطَاعَةَ . (البخاری کتاب الاحکام)

ترجمہ

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: سمع وطاعت مسلمانوں پر لازم ہے خواہ اسے کوئی حکم پسند ہو یا ناپسند جب تک کہ معصیت کا حکم نہیں دیا جاتا۔ اگر معصیت کا حکم دیا گیا تو نہ سننا ہے اور نہ اطاعت کرنا۔ (بخاری کتاب الاحکام)

تشریح

اس حدیث میں سمع وطاعت سے مراد اپنے امیر کی بات اور اس کے حکم کی تعمیل کرنا ہے۔ قرآن میں اولوالامر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے لیکن ساتھ ہی منکم کی قید لگائی گئی ہے یعنی وہ اصحاب امر جو مسلمانوں میں سے ہوں اور وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے تحت مسلمانوں کے اجتماعی امور کو انجام دے رہے ہوں جیسا کہ سورۂ نساء کی آیت ۵۹ سے واضح ہے۔ اجتماعی نظم کو برقرار رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ امیر جو حکم دے اسکی تعمیل کی جائے خواہ وہ پسند ہو یا ناپسند۔ اگر ہر شخص اپنی پسند اور اپنی رائے پر اصرار کرنے لگے تو کوئی نظم قائم ہو ہی نہیں سکتا لہٰذا اپنی رائے کی قربانی دیتے ہوئے امیر کے حکم کی اطاعت کی جانی چاہئے البتہ اگر امیر کوئی ایسا حکم دیتا ہے جس سے اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی لازم آتی ہے تو پھر ایسے حکم کی تعمیل نہیں کی جانی چاہئے خواہ اس سے نظم اجتماعی متاثر ہو کیونکہ نظم اجتماعی اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت ہی کیلئے ہے پھر کس طرح اسکی خلاف ورزی کی جاسکتی ہے؟

امیر کی ناپسندیدہ بات پر صبر کرنا

حدیث

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ یَرْوِیْهِ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ مَنْ رَّاٰی مِنْ اَمِیْرِهٖ شَیْئًا فَکَرِهَهٗ فَلْیَصْبِرْ فَاِنَّهٗ لَیْسَ اَحَدٌ یُّفَارِقُ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَیَمُوْتُ اِلَّا مَاتَ مِیْتَةً جَاهِلِیَّةً.

(البخاری کتاب الاحکام)

ترجمہ

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو اپنے امیر میں کوئی ناپسندیدہ بات دیکھے تو صبر کرے کیونکہ جو شخص بھی الجماعت سے بالشت برابر علیٰحدہ ہوگا اور اس حال میں مرے گا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔ (بخاری کتاب الاحکام)

تشریح

الجماعت سے مراد مسلمانوں کی وہ اجتماعی ہیئت جس کو اقتدار حاصل ہو۔ ایسی جماعت سے خروج بہت بڑے فساد کا موجب ہوتا ہے کیونکہ ایک قائم شدہ حکومت کو تسلیم نہ کرنے یا اس کے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند کرنے سے ٹکراؤ اور افتراق کی صورت پیدا ہوتی ہے اس لئے ہدایت کی گئی ہے کہ مسلمان جس امیر یا خلیفہ پر مجتمع ہوں اس میں اگر کوئی خرابی موجود بھی ہو تو صبر کرنا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ اس کے مقابلہ کے لئے کوئی چھوٹی موٹی جماعت کھڑی کردی جائے۔

جاہلیت کی موت سے مراد کفر کی حالت میں موت نہیں ہے بلکہ غیر اسلامی طریقہ پر موت ہے۔ جاہلیت کا لفظ اسلامی طریقہ کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے اور یہاں اس کا یہی مفہوم مراد ہے چنانچہ بخاری کے شارح حافظ ابن حجر نے صراحت کی ہے کہ: ''مراد یہ نہیں ہے کہ وہ کفر کی حالت میں مرے گا بلکہ گنہگار ہونے کی حالت میں مرے گا۔'' (فتح الباری ج ۱۳ ص ۵)

الجماعت سے بالشت بھر علیٰحدگی کا مطلب بھی صاحب فتح الباری نے یہی بیان کیا ہے کہ:

''یہ کنایہ ہے سلطان کی نافرمانی اور اس سے نبرد آزما ہونے سے''

انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ: (ایضاً)

فقہاء اس سلطان کی اطاعت کے وجوب پر جس کو تسلط حاصل ہو اور اس کے ساتھ جہاد کرنے پر متفق ہیں اور اس کی اطاعت خروج سے بہتر ہے کیونکہ اس میں خون خرابہ ہے۔''

واضح ہوا کہ مذکورہ حدیث میں امیر کے تعلق سے جو بات کہی گئی ہے وہ افتراق بین المسلمین اور خوں خرابہ سے بچنے کے لئے کہی گئی ہے لیکن موجودہ دور میں جہاں جمہوری حکومتیں قائم ہیں وہاں پُرامن طریقے پر حکومت کے سربراہ کو اصلاح کی طرف متوجہ کرنے اور اس کو بدلنے کے مواقع موجود ہوتے ہیں اس لئے بدلے ہوئے حالات میں حکومت اور اس کے ذمہ داروں کی اصلاح کیلئے پُرامن طریقے اختیار کئے جا سکتے ہیں اور ایسا کرنا مذکورہ حدیث کے منشا کے خلاف نہ ہوگا۔

یہ بھی واضح رہے کہ مذکورہ حدیث میں جس جماعت کا ذکر ہوا ہے اس کا اطلاق مسلمانوں کی ان چھوٹی موٹی جماعتوں پر نہیں ہوتا جو دین کی تبلیغ ودعوت یا اسلامی نظام کو قائم کرنے کے لئے اٹھی ہیں۔ ایسی جماعتوں کا وجود مستحسن تو ہو سکتا ہے لیکن ان پر وہ احکام منطبق کرنا صحیح نہیں جو حدیث میں اقتدار رکھنے والی الجماعت کے لئے بیان ہوئے ہیں۔ لہٰذا ان جماعتوں میں سے کسی جماعت سے کوئی شخص اختلاف کی بنا پر علیٰحدگی اختیار کرتا ہے تو اس کی یہ علیٰحدگی جاہلیت کے ہم معنی ہرگز نہیں ہے۔

❍❖❍❖❍❖❍

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۔ (سورۂ نساء :۵۹)

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر (صاحب اختیار) ہوں۔''

کرسی کے بھوکے نہ بنو

حدیث

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سُمُرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ يَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ لَا تَسْأَلِ الْإِمَارَةَ فَإِنَّكَ إِنْ أُعْطِيْتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ وُكِّلْتَ إِلَيْهَا وَإِنْ أُعْطِيْتَهَا عَنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا وَإِذَا حَلَفْتَ عَلٰى يَمِيْنٍ فَرَأَيْتَ غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا فَكَفِّرْ يَمِيْنَكَ وَأْتِ الَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ. (البخاری کتاب الاحکام)

ترجمہ

عبدالرحمٰن بن سمرہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اے عبدالرحمٰن امارت طلب نہ کرو کیوں کہ اگر وہ طلب کرنے پر مل گی تو تمہیں اس کے سپرد کیا جائے گا اور اگر بغیر طلب کئے مل گئی تو اس میں تمہاری مدد کی جائے گی اور جب تم کسی چیز کے بارے میں قسم کھاؤ اور اس کے بعد دوسری صورت تمہیں بہتر دکھائی دے تو اپنی قسم کا کفارہ دو اور جو چیز بہتر ہے اس کو اختیار کرو۔ (بخاری کتاب الاحکام)

تشریح

امارت یعنی اقتدار اور حکومت ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ اس کے عہدے اور مناصب اپنے ساتھ بھاری ذمہ داریاں لاتے ہیں اس لئے یہ چیز ایسی نہیں کہ آدمی اس کی خواہش کرے یا اس کو طلب کرے۔ ایک متقی شخص اس سے دور رہنا ہی پسند کرے گا کیونکہ جیسا کہ حدیث میں بیان ہوا ہے اگر طلب کرنے پر کوئی عہدہ یا منصب مل گیا تو اس کو اس کے حوالہ کیا جائے گا یعنی اس صورت میں وہ اللہ کی مدد سے محروم ہوگا لیکن اگر بغیر طلب کئے کوئی عہدہ یا منصب مل گیا تو اللہ تعالیٰ اس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اس کی مدد فرمائے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ حکومت اور عہدوں کی طلب باہمی رسہ کشی کا سبب ہے۔ ایسے لوگ مخلص کہاں ہو سکتے ہیں

انہیں تو اپنی شان دکھانا مقصود ہوتا ہے۔ آج کی سیاست جو گندہ ہو کر رہ گئی ہے اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ لوگ کرسی کے بھوکے ہیں اور اس کی طرف دوڑ رہے ہیں۔ جب ان کو کرسی مل جاتی ہے تو وہ اپنی ذمہ داریوں کو بھول جاتے ہیں۔ یہ صورت حال باعث عبرت ہے اور اس سے حدیث کی صداقت ثابت ہو رہی ہے۔

واضح رہے کہ اگر ایک سچا مسلمان کسی حکومتی منصب کا خواہش مند نہ ہو اور اس سے کنارہ کش رہنا چاہتا ہو لیکن صورت حال کچھ ایسی ہو کہ اس کے لئے لائق افراد موجود نہ ہوں اور دینی مصالح اس کے متقاضی ہوں کہ اپنے کو اس منصب کے لئے پیش کیا جائے تو ایسی صورت میں اسے طلب کیا جا سکتا ہے چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام نے عظیم مصالح کے پیش نظر ہی خزائن الارض کے منصب پر مقرر کئے جانے کا عزیز مصر سے مطالبہ کیا تھا۔

مذکورہ حدیث میں دوسری بات قسم کے تعلق سے کہی گئی ہے کہ کسی چیز کے نہ کرنے کی قسم کھانے کے بعد اگر دوسری صورت بہتر معلوم ہو تو یہ رخصت ہے کہ قسم کو توڑ کر اس کا کفارہ ادا کر دیا جائے۔ یہ آسانی اس لئے رکھ دی گئی ہے تا کہ آدمی قسم کھانے کے بعد اور اس سے بہتر صورت سامنے آنے پر مشکل میں نہ پڑے۔

تِلْکَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا. وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ . (سورۂ قصص: ۸۳)

”یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لئے خاص کر دیں گے جو زمین میں بڑائی نہیں چاہتے اور نہ فساد کرنا چاہتے ہیں۔ اور انجام کار کی بھلائی متقیوں ہی کے لئے ہے۔“

ملتِ اسلامیہ جسدِ واحد

حدیث

عَنْ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ ابْنِ بَشِيْرٍ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَرَاحُمِهِمْ وَ تَوَادِّهِمْ وَ تَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَكٰى عُضْواً تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ جَسَدِهٖ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى . (البخاری کتاب الادب)

ترجمہ

حضرت عامر کہتے ہیں کہ میں نے نعمان ابن بشیر کو کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم مؤمنوں کو دیکھو گے کہ وہ ایک دوسرے پر رحم دلی، باہم محبت اور شفقت میں ایک جسم کی طرح ہیں کہ اس کا ایک عضو بیمار ہو گیا تو پورا جسم بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

تشریح

اہل ایمان خواہ کسی ملک اور کسی خطہ میں رہتے ہوں ایک دین کے پیرو ہونے کی بنا پر ملت واحدہ ہیں اور ان کی خصوصیت حدیث میں یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ ایک دوسرے کے حق میں رحمدل ہوتے ہیں، باہم محبت کرتے ہیں اور ایک دوسرے پر مہربان ہوتے ہیں۔ ان کی مثال جسد واحد سے دی گئی ہے جس کا ایک عضو بیمار ہوتا ہے تو پورا جسم اس کا اثر اپنے اندر محسوس کرنے لگتا ہے۔ اسی طرح اگر اہل ایمان کا کوئی گروہ کسی مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے تو دوسرے اہل ایمان اس کا درد اپنے اندر محسوس کرنے لگتے ہیں۔

اس سے واضح ہے کہ اسلام مسلمانوں میں کیا خصوصیات دیکھنا چاہتا ہے لیکن افسوس ہے کہ موجودہ دور میں مسلمان مسلکی اور گروہی عصبیت، فرقہ بندی، سیاسی کشمکش اور خانہ جنگی کی بنا پر ان خصوصیات سے عاری ہوتے جا رہے ہیں۔ کاش وہ اس حدیث کے آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھ لیتے!

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کے ساتھ سلوک

حدیث

عَنۡ عَبۡدِاللّٰهِ بۡنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوۡلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اَلۡمُسۡلِمُ اَخُو الۡمُسۡلِمِ لَا يَظۡلِمُهٗ وَلَا يُسۡلِمُهٗ وَمَنۡ كَانَ فِيۡ حَاجَةِ اَخِيۡهِ كَانَ اللّٰهُ فِيۡ حَاجَتِهٖ وَمَنۡ فَرَّجَ عَنۡ مُّسۡلِمٍ كُرۡبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنۡهُ كُرۡبَةً مِنۡ كُرُبَاتِ يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ وَمَنۡ سَتَرَ مُسۡلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ. (بخاری کتاب المظالم)

ترجمہ

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ تو اس پر ظلم کرے اور نہ اسے ظالم کے حوالہ کرے۔ جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں لگا رہتا ہے اللہ اس کی ضرورت کو پورا کرتا ہے۔ جو شخص کسی مسلمان کی تکلیف کو دور کرتا ہے اللہ قیامت کے دن اس کی تکلیف کو دور کرے گا اور جس نے کسی مسلمان کے عیب کو چھپایا اللہ قیامت کے دن اس کے عیب کو چھپائے گا۔ (بخاری کتاب المظالم)

تشریح

اس حدیث میں مسلمانوں کو اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ ان کا ایک دوسرے کے ساتھ برتاؤ کیسا ہونا چاہئے۔ بنیادی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے درمیان باہمی رشتہ دینی اخوت کا ہے جس کا تقاضا ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر ظلم وزیادتی نہ کرے اور نہ اسے ظالم کے حوالہ کرے کہ وہ ظلم وزیادتی کا شکار بن جائے۔ جو کسی مسلمان کی ضرورت کو پورا کرتا ہے۔ اسی طرح کسی مسلمان کی تکلیف کو دور کرنا اتنی بڑی نیکی ہے

کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی تکلیف کو دور کرے گا۔

کسی مسلمان کے عیب کو بیان کرنا بری بات ہے اور اس کو چھپانا خوبی کی بات ہے اور قیامت کے دن اللہ اس کے عیب کو چھپائے گا۔ تو کون شخص ہے جو نہیں چاہتا کہ اس کے عیب چھپائے جائیں پھر وہ دوسروں کے عیب کیوں ٹٹولتا ہے اور کیوں ان کا ذکر دوسروں سے کرتا ہے؟ قیامت کے دن ہر عمل کا بدلہ اس عمل کی مناسبت ہی سے ملے گا لہٰذا جس نے اپنے مسلمان بھائی کی پردہ پوشی کی ہوگی قیامت کے دن اس کے عیب کی بھی پردہ پوشی کی جائے گی۔

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان کے ساتھ برتاؤ کے سلسلہ میں یہ بہترین تعلیم ہے جو اس حدیث میں دی گئی ہے اور اس کو نظر انداز کرنے ہی کا نتیجہ ہے کہ مسلم معاشرہ باہمی چپقلش میں مبتلا ہو گیا ہے۔

حسن نیت

اور

رضائے الٰھی کی طلب

نیک عمل کی قبولیت کیلئے نیت کا خالص ہونا ضروری ہے

حدیث

عَنْ اَبِیْ مُوْسیٰ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ رَجُلٌ یُقَاتِلُ حَمِیَّۃً وَ یُقَاتِلُ شُجَاعَۃً وَ یُقَاتِلُ رِیَآءً فَاَیُّ ذٰلِکَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ قَالَ مَنْ قَاتَلَ لِتَکُوْنَ کَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا فَھُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ . (البخاری کتاب التوحید)

ترجمہ

حضرت ابوموسیٰ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا کوئی شخص حمیت میں لڑتا ہے اور کوئی بہادری کیلئے اور کوئی دکھاوے کیلئے تو ان میں سے کس کا لڑنا اللہ کی راہ میں ہے؟ آپ نے فرمایا جو شخص اس لئے لڑے کہ اللہ ہی کا کلمہ بلند ہو اس کا لڑنا اللہ کی راہ میں ہے۔ (بخاری کتاب التوحید)

تشریح

ہر نیک کام کیلئے نیت کا خالص ہونا ضروری ہے یعنی وہ صرف اللہ کی رضا کیلئے کیا جائے اور مقصد وہی ہو جو اللہ نے مقرر کیا ہے مثلاً جہاد کہ اللہ کے کلمہ یعنی اس کی توحید کو بلند کرنے کی غرض سے کیا جائے۔ اگر نیت اپنی قوم کی غیرت اور حمایت میں لڑنا ہو تو اس کا کوئی اجر نہیں ملے گا۔ موجودہ زمانہ میں مسلمانوں میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو قوم پرست ہوتے ہیں اور محض قوم کی غیرت اور حمایت میں لڑتے ہیں۔ ایسے مسلمانوں کو اس حدیث سے سبق لینا چاہئے۔

اگر جہاد کیلئے کوئی شخصی غرض رہی مثلاً اپنے کو بہادر کہلانے کیلئے جان کی بازی لگا دینا یا لوگوں کے دکھاوے کیلئے لڑنا تو اتنا بڑا عمل بھی اللہ کی میزان میں کوئی وزن نہیں رکھے گا۔ اس کی میزان میں تو اسی نیک عمل کا وزن

ہوگا جو خالصتاً لوجہ اللہ کیا گیا ہو۔ ریاکاری تو نیک عمل کو خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو ضائع کر دیتی ہے۔

یہ حدیث صراحت کرتی ہے کہ اسلام میں جہاد کا مقصد اللہ کے کلمہ توحید کو بلند کرنا ہے اور یہی غرض مجاہدین کے پیش نظر ہونی چاہئے۔ مسلمانوں کی آپس میں خانہ جنگی جہاد فی سبیل اللہ کی تعریف میں نہیں آتی۔

اعمال نیتوں سے وابستہ ہیں

حدیث

قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَلَی الْمِنْبَرِ یَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَ اِنَّمَا لِکُلِّ امْرِیءٍ مَّا نَوٰی فَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلٰی دُنْیَا یُصِیْبُھَا اَوْ اِلٰی امْرَاَۃٍ یَّنْکِحُھَا فَھِجْرَتُہٗ اِلٰی مَا ھَاجَرَ اِلَیْہِ. (البخاری بدء الوحی)

ترجمہ

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے منبر پر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: اعمال نیتوں سے وابستہ ہیں اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔ تو جس کی ہجرت دنیا کے حصول کے لئے تھی یا کسی عورت سے نکاح کے لئے تھی تو اس کی ہجرت اسی کی طرف ہے جس کا اس نے قصد کیا۔ (بخاری بدء الوحی)

تشریح

اللہ تعالیٰ کسی بھی نیک عمل کی صرف ظاہری شکل کو نہیں دیکھتا بلکہ اس کے پیچھے جو قصد، ارادہ اور نیت ہوتی ہے اس کو بھی دیکھتا ہے۔ اگر نیک کام اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے کیا گیا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتا ہے اور اس کی بہترین جزاء عطا فرماتا ہے لیکن اگر نیک عمل کسی دنیوی غرض سے کیا گیا ہے تو اس پر وہ اجر کا مستحق نہیں ہوتا۔

اس اصولی بات کو واضح کرنے کیلئے حدیث میں ہجرت کی مثال دی گئی ہے کہ ہجرت کی فضیلت بھی اسی

صورت میں ہے جب کہ وہ خالصتہً الوجہ ا للہ کی گئی ہو۔ اگر کسی عورت سے نکاح کے ارادہ سے کسی مسلمان نے مکہ چھوڑ کر مدینہ ہجرت کی ہو تو اس کو اس پر ہجرت کا اجر نہیں ملے گا اور اسی پر دوسری ہجرتوں وغیرہ کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔

امام بخاری نے اسی حدیث سے صحیح بخاری کا آغاز کیا ہے تاکہ شرعی احکام میں نیت اور قصد کی جو اہمیت ہے اس پر نگاہیں مرکوز رہیں۔ واضح رہے کہ یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے بھی نہایت قوی ہے کیونکہ یہ نہایت ثقہ اور مشہور راویوں سے مروی ہے۔

اپنے اہل پر خرچ کرنا باعث اجر

حدیث

عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِیِّ فَقُلْتُ عَنِ النَّبِیِّ فَقَالَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ : اِذَآ اَنْفَقَ الْمُسْلِمُ نَفَقَةً عَلٰی اَھْلِہٖ وَھُوَ یَحْتَسِبُھَا کَانَتْ لَہٗ صَدَقَةً . (بخاری کتاب النفقات)

ترجمہ

ابو مسعود انصاری سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب ایک مسلمان اپنے اہل پر خرچ کرتا ہے اور اس پر اجر کا امیدوار ہوتا ہے تو اس کیلئے وہ صدقہ ہو جاتا ہے۔ (بخاری کتاب النفقات)

تشریح

ہر شخص اپنے اہل پر خرچ کرتا ہے لیکن اس پر وہی مسلمان اجر کا مستحق ہوتا ہے جو واقعی اللہ سے اجر چاہتا ہے اور اللہ سے اجر کا امیدوار وہی شخص ہوتا ہے جو آخرت پر یقین رکھتا ہے اور اس کی کامیابی کو اپنا مطمع نظر بناتا ہے۔ ایسے شخص کی زندگی اللہ کی اطاعت میں بسر ہوتی ہے۔ اس لئے وہ اپنی ذمہ داری کو ادا کرنے پر یہاں تک کہ اپنے اہل پر خرچ کرنے پر بھی اجر کا مستحق ہو جاتا ہے۔

مصیبت میں اپنے نیک عمل کو پیش کر کے نجات کے لئے دعا کرنا

حدیث

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ قَالَ : بَیْنَمَا ثَلَاثَۃُ نَفَرٍ یَتَمَاشَوْنَ اَخَذَھُمُ الْمَطَرُ فَمَالُوْا اِلٰی غَارٍ فِی الْجَبَلِ فَانْحَطَّتْ عَلٰی فَمِ غَارِھِمْ صَخْرَۃٌ مِّنَ الْجَبَلِ فَاَطْبَقَتْ عَلَیْھِمْ فَقَالَ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ اُنْظُرُوْا اَعْمَالًا عَمِلْتُمُوْھَا لِلّٰہِ صَالِحَۃً فَادْعُوا اللّٰہَ بِھَا لَعَلَّہٗ یُفَرِّجُھَا، فَقَالَ اَحَدُھُمْ اَللّٰھُمَّ اِنَّہٗ کَانَ لِیْ وَالِدَانِ شَیْخَانِ کَبِیْرَانِ وَلِیْ صِبْیَۃٌ صِغَارٌ کُنْتُ اَرْعٰی عَلَیْھِمْ فَاِذَا رُحْتُ عَلَیْھِمْ فَحَلَبْتُ بَدَأْتُ بِوَالِدَیَّ اَسْقِیْھِمَا قَبْلَ وَلَدِیْ وَاِنَّہٗ نَاءَ بِیْ اَلشَّجَرُ فَمَا اَتَیْتُ حَتّٰی اَمْسَیْتُ فَوَجَدْتُّھُمَا قَدْ نَامَا فَحَلَبْتُ کَمَا کُنْتُ اَحْلَبُ فَجِئْتُ بِالْحِلَابِ فَقُمْتُ عِنْدَ رُؤُسِھِمَا اَکْرَہُ اَنْ اُوْقِظَھُمَا مِنْ نَّوْمِھِمَا وَ اَکْرَہُ اَنْ اَبْدَأَ بِالصِّبْیَۃِ قَبْلَھُمَا وَالصِّبْیَۃُیَتَضَاغَوْنَ عِنْدَ قَدَمَیَّ فَلَمْ یَزَلْ ذٰلِکَ دَاْبِیْ وَدَاْبُھُمْ حَتّٰی طَلَعَ الْفَجْرُ فَاِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنِّیْ فَعَلْتُ ذٰلِکَ ابْتِغَآءَ وَجْھِکَ فَافْرُجْ لَنَا فُرْجَۃً نَّرٰی مِنْھَا السَّمَآءَ فَفَرَجَ اللّٰہُ لَھُمْ فُرْجَۃً حَتّٰی یَرَوْنَ مِنْھَا السَّمَآءَ .وَقَالَ الثَّانِیْ : اَللّٰھُمَّ اِنَّہٗ کَانَتْ لِیْ ابْنَۃُ عَمٍّ اُحِبُّھَاکَاَشَدِّ مَا یُحِبُّ الرِّجَالُ النِّسَآءَ فَطَلَبْتُ اِلَیْھَا نَفْسَھَافَاَبَتْ حَتّٰی اٰتِیَھَا بِمَائَۃِ دِیْنَارٍ فَسَعَیْتُ حَتّٰی جَمَعْتُ مِائَۃَ دِیْنَارٍ فَلَقِّیْتُھَا بِھَا فَلَمَّا قَعَدْتُّ بَیْنَ رِجْلَیْھَا قَالَتْ یَا عَبْدَ اللّٰہِ اِتَّقِ اللّٰہَ وَلَا تَفْتَحِ الْخَاتَمَ فَقُمْتُ عَنْھَا اَللّٰھُمَّ فَاِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اِنِّیْ قَدْ فَعَلْتُ ذٰلِکَ ابْتِغَآءِ وَجْھِکَ فَافْرُجْ لَنَا مِنْھَا فَفَرَجَ لَھُمْ فُرْجَۃً . وَّقَالَ الْاٰخَرُ ، اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ کُنْتُ

اسْتَأجَرْتُ اَجِیْرًا بِفَرَقٍ اَرُزٍّ فَلَمَّا قَضٰی عَمَلَہٗ قَالَ اَعْطِنِیْ حَقِّیْ فَعَرَضْتُ عَلَیْہِ حَقَّہٗ فَتَرَکَہٗ وَ رَغِبَ عَنْہُ فَلَمْ اَزَلْ اَزْرَعُہٗ حَتّٰی جَمَعْتُ مِنْہُ بَقَرًا وَّ رَاعِیْھَا فَجَآءَ نِیْ فَقَالَ اتَّقِ اللّٰہَ وَلَا تَظْلِمْنِیْ وَ اَعْطِنِیْ حَقِّیْ فَقُلْتُ اذْھَبْ اِلٰی ذٰلِکَ الْبَقَرِ وَرَاعِیْھَا فَقَالَ اتَّقِ اللّٰہَ وَلَا تَھْزَأبِیْ فَقُلْتَ اِنِّیْ لَااَھْزَأُ بِکَ فَخُذْ ذٰلِکَ الْبَقَرَ وَرَاعِیَھَا فَاَخَذَہٗ فَانْطَلَقَ بِھَا فَاِنْ کُنْتُ تَعْلَمُ اَنِّیْ فَعَلْتُ ذٰلِکَ ابْتِغَآءَ وَجْھِکَ فَافْرُجْ مَا بَقِیَ فَفَرَجَ اللّٰہُ عَنْھُمْ . (البخاری کتاب الادب)

ترجمہ

ابن عمر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین آدمی راہ چل رہے تھے کہ انہیں بارش نے آلیا۔ انہوں نے پہاڑ کے ایک غار میں پناہ لی۔ (یکایک) پہاڑ سے ایک چٹان غار کے منہ پر آگری اور وہ اندر بند ہو کر رہ گئے۔ (جب باہر نکلنے کی کوئی تدبیر ممکن نہ ہوئی تو) وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے اپنے نیک اعمال کو دیکھو جو تم نے اللہ کے لئے کئے ہوں ان کے ذریعہ اللہ سے دعا کرو امید ہے کہ وہ راہ کھول دے گا۔ چنانچہ ان میں سے ایک شخص سے کہا: اے اللہ میرے والدین بہت بوڑھے ہو گئے تھے اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے بھی تھے جن کا میں نگراں تھا۔ جب میں شام کو واپس لوٹتا تو دودھ دوہتا اور اپنے بچوں سے پہلے اپنے والدین کو پلاتا۔ ایک روز جنگل میں دور جا نکلا اور شام کو دیر سے لوٹا۔ دیکھا تو دونوں سو رہے ہیں۔ میں نے حسب معمول دودھ دوہا اور لیکر ان کے سرہانے کھڑا ہو گیا۔ ان کو بیدار کرنا مناسب معلوم نہیں ہوا اور ان سے پہلے بچوں کو پلانا بھی نامناسب معلوم ہوا حالانکہ بچے میرے قدموں کے پاس بلبلا رہے تھے۔ میرا اور ان کا یہی حال رہا یہاں تک کہ فجر ہو گئی۔ تو (اے اللہ!) تو چاہتا ہے اگر یہ کام میں نے محض تیری رضا جوئی کے لئے کیا تھا تو اس چٹان کو ہٹا دے کہ ہم آسمان کو دیکھ سکیں۔ اللہ نے اس چٹان کو اتنا ہٹا دیا کہ آسمان انہیں نظر آنے لگا۔

دوسرے نے کہا! اے اللہ میری ایک چچازاد بہن تھی جس سے میں اتنی زیادہ محبت کرتا تھا جتنی زیادہ مرد عورتوں سے کرتے ہیں۔ میں نے (ایک دن) اس سے نفسانی خواہش کا اظہار کیا تو اس نے انکار کیا جب تک کہ میں اسے سو دینار نہ دوں۔ میں نے تگ و دو کی یہاں تک کہ میرے پاس سو دینار جمع ہو گئے۔ ان کو لے کر میں اس کے پاس گیا۔ جب میں اس کے قدموں میں بیٹھ گیا تو اس نے کہا اے اللہ کے بندے! اللہ سے ڈر اور مہر کو اس حق کے بغیر نہ توڑ۔ میں اسی وقت اٹھ گیا تو اے اللہ! اگر تیرے علم میں میرا یہ کام محض تیری رضا جوئی کے لئے تھا تو ہمارے لئے اس چٹان کو اور ہٹا دے۔ چنانچہ چٹان اور ہٹ گئی۔

تیسرے نے عرض کیا اے اللہ! میں نے ایک مزدور کو ایک فرق (ایک ناپ ہے) چاول پر اپنے کام پر رکھا تھا۔ جب اس نے کام پورا کیا تو اپنا حق طلب کیا۔ میں نے اس کی مزدوری اس کے سامنے رکھ دی لیکن وہ اسے بے رغبتی کے ساتھ چھوڑ کر چلا گیا۔ میں اس سے کاشت کرتا رہا یہاں تک کہ میں نے اس آمدنی سے گائیں خرید لیں اور چرواہا رکھ لیا۔ اس کے بعد وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا اللہ سے ڈر مجھ پر ظلم نہ کر اور میرا حق مجھے دے دے۔ میں نے کہا جا اور یہ گائیں لے لے اور ان کے ساتھ چرواہا بھی ہے اس نے کہا اللہ سے ڈر اور میرے ساتھ مزاق نہ کر۔ میں نے کہا میں مزاق نہیں کر رہا ہوں ان گایوں اور چرواہے کو لے جا۔ وہ ان کو لے کر چلا گیا۔ (اے اللہ!) تو جانتا ہے کہ اگر میں نے یہ کام تیری رضا جوئی کے لئے کیا تھا تو چٹان کا جو حصہ رہ گیا ہے اس کو ہٹا دے۔ اللہ نے ان کے سامنے سے اس چٹان کو ہٹا دیا۔ (بخاری کتاب الادب)

تشریح

یہ تینوں واقعات جن کا ذکر نبی ﷺ نے فرمایا یہ سبق دیتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی غیر معمولی مصیبت میں پھنس گیا ہو اور بظاہر اس سے نجات کی کوئی راہ نہ ہو تو ایسے نازک وقت میں اپنی کسی ایسی نیکی کا ذکر کر کے اللہ کے حضور دعا کرے جو اس نے کسی نازک موقع پر خالصۃً لوجہ اللہ انجام دی ہو۔ جو نیکی کسی نازک موقع پر کی

گئی ہو جب کہ لغزش کے یا گناہ میں ملوث ہونے کے امکانات قوی ہوں تو اللہ کے نزدیک وہ بہت زیادہ قدر کی مستحق ہو جاتی ہے اور اس کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ بندہ کو غیر معمولی طریقہ پر مصیبت سے نجات دے دیتا ہے۔

پہلے واقعہ میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کی بہترین مثال پیش کی گئی ہے کہ وہ شخص رات بھر اپنے والدین کے سرہانے دودھ لے کر کھڑا ہو گیا لیکن ان کو جگانا مناسب خیال نہ کیا۔ وہ اپنے بچوں کو دودھ پلا کر فارغ ہو سکتا تھا اور بعد میں اپنے والدین کو پلاتا اور ایسا کرنے میں شرعاً کوئی چیز مانع نہیں تھی لیکن اس نے اپنی دانست میں اسے مناسب خیال نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ کسی نیکی کے پیچھے جو اچھے جذبات کارفرما ہوتے ہیں ان کی قدر کرتا ہے لہٰذا اس کا یہ عمل اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کے لحاظ سے بہترین عمل قرار پایا اور اس کی برکت سے مصیبت میں نجات کی راہ ایک حد تک کھل گئی۔

دوسرا شخص اپنے شہوانی جذبات سے مغلوب تھا لیکن جب اس کی چچازاد بہن نے جس کے ساتھ وہ زنا کے قریب تھا اللہ کا خوف دلایا تو وہ فوراً چونک گیا اور اپنے جذبات کی تسکین کئے بغیر اٹھ کر چلا گیا۔ ایسی نازک حالت میں اپنے جذبات پر قابو پانا آسان نہیں تھا لیکن اللہ کا خوف اس پر ایسا طاری ہوا کہ اس نے قابو پا لیا۔ اس کا عمل خالصۃً لوجہ اللہ تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی قدر فرمائی اور اس کی دعا کو قبول کرتے ہوئے مصیبت سے نجات کی راہ کھول دی۔

تیسرے شخص نے اپنے ایک مزدور کی مزدوری کو جسے وہ چھوڑ کر چلا گیا تھا کاروبار میں لگایا جس سے اچھی یافت ہوئی۔ جب مزدور ایک عرصہ گذرنے کے بعد اپنی مزدوری مانگنے آیا تو وہ اسے اس کی مزدوری دینے پر اکتفا کر سکتا تھا لیکن اس پر جو نفع اس نے کمایا تھا وہ بھی اس نے اس کے حوالہ کر کے اپنی ایمانداری کا پورا ثبوت دیا اور یہ نیک عمل اس نے محض اللہ کی رضا جوئی کے لئے کیا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی قدر فرمائی اور اس کی دعا قبول کرتے ہوئے مصیبت سے نجات کی راہ مکمل طور پر کھول دی۔

بہترین اوصاف

امانت داری ایک بنیادی وصف ہے

حدیث

عَنْ زَیْدِبْنِ وَهْبٍ سَمِعْتُ حُذَیْفَةَ یَقُوْلُ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنَّ الْاَمَانَةَ نَزَلَتْ مِنَ السَّمَآءِ فِیْ جَذْرِ قُلُوْبِ الرِّجَالِ وَنَزَلَ الْقُرْآنُ فَقَرَؤُا الْقُرْآنَ وَ عَلِمُوْا مِنَ السُّنَّةِ . (البخاری کتاب الاعتصام)

ترجمہ

زید بن وھب سے روایت ہے کہ میں نے حضرت حذیفہ کو کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے بیان کیا کہ امانت آسمان سے لوگوں کے دلوں کی جڑوں میں نازل کی گئی اور قرآن نازل ہوا تو قرآن میں اسے پڑھا اور سنت سے اس کا علم انہیں حاصل ہوا۔ (بخاری کتاب الاعتصام)

تشریح

امانت ایک سپرد کی ہوئی چیز ہوتی ہے جس کی حفاظت کرنا اس کو ضائع ہونے سے بچانا اور اس کو اس کے مالک کی مرضی کے مطابق استعمال کرنا ایک بڑی اخلاقی ذمہ داری ہے۔ امانت داری کا یہ احساس انسان کی فطرت میں ودیعت ہوا ہے اس لئے ہر شخص جانتا ہے کہ امانت کیا ہے اور اس سلسلہ میں اس پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے چنانچہ معاملات میں دیانتداری برتنے کا ہر شخص قائل ہے اگرچہ اس کا عمل اس کے خلاف ہو۔

مذکورہ حدیث میں امانت کو آسمان سے نازل شدہ بتایا گیا ہے جس سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ امانت ایک اعلیٰ اور روحانی وصف ہے جو دل کی گہرائیوں میں ودیعت ہوا ہے تاکہ ہر شخص امانت کے تعلق سے اپنی ذمہ داری کو محسوس کرے اور بدیانتی اور خیانت پر اس کا ضمیر اس کو ملامت کرے۔

امانت داری کا مزید علم قرآن سے حاصل ہوتا ہے چنانچہ قرآن میں ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ . (مؤمنون:٨)

''جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس رکھتے ہیں۔''

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ . (آل عمران. ۷۵)

''اہل کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اگر تم ان کے پاس مال کا ڈھیر امانت کے طور پر رکھ دو تو وہ تمہیں ادا کریں گے۔''

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا. (نساء.۵۸)

''اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے حق داروں کے حوالے کرو۔''

اور سنت سے اس کی مزید تفصیلات کا علم ہوتا ہے مثال کے طور پر ایک حدیث میں ارشاد ہوا ہے:

اِذَا ضُيِّعَتِ الْاَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ. (بخاری کتاب الرقاق)

''جب امانت ضائع کی جانے لگے تو قیامت کا انتظار کرو۔''

اس حدیث میں اقتدار کو نااہلوں کے سپرد کرنے کو امانت کے ضائع کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے جس سے امانت کا یہ وسیع تر مفہوم سامنے آتا ہے کہ حکومت نااہلوں کے سپرد کرنا یا ایسے لوگوں کو عہدے تفویض کرنا جو اس کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں یا جو اخلاقی لحاظ سے اس کے اہل نہ قرار پاتے ہوں اپنی رائے اور اختیارات کا غلط استعمال ہے جو امانت داری کے خلاف ہے اور بہت بڑے بگاڑ کا باعث ہے۔ بنیادی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اختیارات انسان کو دیئے ہیں وہ سب امانت ہیں اس لئے ان اختیارات کو اللہ کی مرضی کے مطابق اس کی شریعت کی پیروی کرتے ہوئے استعمال کرنا چاہئے۔

امانت داری کی اس اہمیت کو سامنے رکھئے اور موجودہ سوسائٹی پر نظر ڈالئے تو امانت داری کا احساس رکھنے والے خال خال ہی دکھائی دیں گے۔ بددیانتی، بے ایمانی اور خیانت بالکل عام ہوگئی ہے جس سے بگاڑ میں اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے۔ جب لوگ اپنی فطرت کی رہنمائی کو قبول نہیں کریں گے تو اصلاح کا کیا کام ہوسکتا ہے؟

مؤمن سراپا خیر ہے

حدیث

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا وَ اِنَّهَا مَثَلُ الْمُسْلِمِ فَحَدِّثُوْنِيْ مَا هِيَ فَوَقَعَ النَّاسُ فِيْ شَجَرِ الْبَوَادِيْ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ وَ وَقَعَ فِيْ نَفْسِيْ اَنَّهَا النَّخْلَةُ فَاسْتَحْيَيْتُ ثُمَّ قَالُوْا حَدِّثْنَا مَا هِيَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ هِيَ النَّخْلَةُ . (البخاری کتاب العلم)

ترجمہ

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: درختوں میں ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے جھڑتے نہیں ہیں اور اس کی مثال مسلم کی سی ہے تو بتاؤ وہ کونسا درخت ہے؟ لوگوں کا ذہن جنگل کے درختوں کی طرف گیا لیکن میرے ذہن میں کھجور کے درخت کی بات آئی مگر میں کہنے سے شرما گیا۔ صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ ہی بیان فرمائیں کہ وہ کونسا درخت ہے۔ آپ نے فرمایا وہ کھجور کا درخت ہے۔ (بخاری کتاب العلم)

تشریح

مؤمن کی مثال کھجور کے درخت سے دی گئی ہے جس کی ہر چیز مفید ہوتی ہے۔ کھجور تو ایک شیریں اور لذیذ پھل ہے، اس کی گٹھلی بھی جانوروں کو کھلانے کے کام آتی ہے، کھجور کے درخت کے پتے چھت پڑ ڈالنے کے کام آتے ہیں، اس کے ریشوں سے گدیلے بنائے جاتے ہیں اور اس کی شاخوں اور اس کے تنے کی لکڑی بھی کام آتی ہے۔ غرضیکہ کھجور کے درخت کی کوئی چیز بے کار نہیں جاتی۔ اسی طرح مؤمن سراپا خیر ہوتا ہے۔ وہ جہاں جاتا ہے اپنے ساتھ خیر لے کر جاتا ہے، بات کرتا ہے تو اس کی زبان پر خیر ہی کے کلمات ہوتے ہیں، کسی کو کچھ دیتا ہے تو خیر کی بخشش کرتا ہے اور جو عمل بھی کرتا ہے باعث خیر ہی ہوتا ہے۔ یہ مثالی مؤمن کی صفت ہے نہ کہ نام نہاد مسلمان کی۔ کتنا سعادت مند ہے مؤمن کا وجود جو سراپا خیر ہوتا ہے!

دنیوی اعتبار سے جو اپنے سے کمتر ہے
اُس پر نظر ڈالو

حدیث

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِذَا نَظَرَ اَحَدُكُمْ اِلٰی مَنْ هُوَ فُضِّلَ عَلَیْهِ فِی الْمَالِ وَ الْخَلْقِ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی مَنْ هُوَ اَسْفَلَ مِنْهُ مِمَّنْ فُضِّلَ عَلَیْهِ ۔

(البخاری کتاب الرقاق)

ترجمہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص ایسے آدمی کو دیکھے جس کو مال اور خلقت میں برتری دی گئی ہے تو وہ اس شخص کو دیکھے جو اس برتری دیے ہوئے شخص کے مقابلہ میں کمتر ہے۔ (بخاری کتاب الرقاق)

تشریح

آدمی جب ان لوگوں کو دیکھتا ہے جن کو دنیوی مال و متاع کی فراوانی حاصل ہے اور جو اپنی خلقت میں بھی بہتر ہیں تو اس میں اپنے کمتر ہونے کا احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ اور شکر کا جذبہ نہیں ابھرتا لیکن اگر آدمی ایسے لوگوں کو دیکھے جو ان چیزوں میں کمتر ہیں تو وہ کمتری کے احساس میں مبتلا نہیں ہوگا اور اس میں شکر کا جذبہ پیدا ہوگا۔ مثال کے طور پر ایک معمولی مکان میں رہنے والا اگر شاندار فلیٹ میں رہنے والے کو دیکھے تو اپنی رہائش کو فروتر خیال کرنے لگے گا۔ جو اس کے لئے پریشانی کا باعث ہوگا۔ لیکن اگر وہ جھوپڑپٹی میں رہنے والے کو دیکھے گا یا ایسے لوگوں کو جن کو مکان کا کوئی سہارا نہیں ہے تو وہ اپنی رہائش پر مطمئن ہوگا۔ اس سے اس میں قناعت پسندی بھی پیدا ہوگی اور وہ اللہ کی بخشی ہوئی چیزوں پر شکر گزار بھی بنے گا۔ اسی طرح ایک سانولے رنگ کا آدمی

گورے رنگ کے آدمی کو دیکھ کر احساس کمتری میں مبتلا ہو سکتا ہے لیکن اگر وہ کالے رنگ کے حبشی کو دیکھے تو اسے اپنی خلقت بہتر معلوم ہوگی جس سے اس میں اللہ کے شکر کا جذبہ پیدا ہوگا۔ حدیث میں اسی پہلو سے اپنے سے کمتر پر نظر ڈالنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

جو درگزر کرتے ہیں
اللہ ان سے درگزر فرماتا ہے

حدیث

عَنْ عُبَیْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَا هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ كَانَ تَاجِرٌ یُّدَایِنُ النَّاسَ فَاِذَا رَاٰی مُعْسِرًا قَالَ لِفِتْیَانِهٖ تَجَاوَزُوْا عَنْهُ لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ یَّتَجَاوَزَ عَنَّا فَتَجَاوَزَ اللّٰهُ عَنْهُ ۔ (البخاری کتاب البیوع)

ترجمہ

عبیداللہ بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا نبی کریم ﷺ نے فرمایا ایک تاجر تھا جو لوگوں کو اُدھار مال دینے کا معاملہ کرتا تھا۔ جب وہ کسی کو تنگ حال پاتا تو اپنے خادموں سے کہتا اس سے درگزر کرو امید ہے کہ اللہ ہم سے درگزر کرے گا چنانچہ اللہ نے اس سے درگزر فرمایا۔ (بخاری کتاب البیوع)

تشریح

جو شخص چاہتا ہے کہ اللہ اس سے درگزر کرے اسے خود دوسروں کے ساتھ درگزر کا معاملہ کرنا چاہئے۔ اس سلسلہ کی بہترین مثال مذکورہ حدیث میں ایک تاجر کی پیش کی گئی ہے جو تنگ دست لوگوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرتا اور اپنے واجبات کی وصولیابی میں سختی نہ کرتا۔ جو شخص ادھار کی رقم ادا کرنے سے قاصر رہتا اس کے

عذر کو دیکھتے ہوئے اس سے درگزر کرتا اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ اس سے درگزر فرمائے گا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس سے درگزر فرمایا۔

اس کے برعکس ان تاجروں کا معاملہ ہے جو کسی کی مجبوری کو خاطر میں نہیں لاتے اور اپنا حق وصول کرنے میں سخت گیر ہوتے ہیں۔

زبان سے ایسی بات کا نکلنا جو درجات کو بلند کرنے والی ہو

حدیث

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ : قَالَ اِنَّ الْعَبْدَ لَیَتَکَلَّمُ بِالْکَلِمَةِ مِنْ رِضْوَانِ اللّٰهِ لَا یُلْقِیْ لَهَا بَالًا یَّرْفَعُ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَاتٍ وَّاِنَّ الْعَبْدَ لَیَتَکَلَّمُ بِالْکَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللّٰهِ لَا یُلْقِیْ لَهَا بَالًا یَّهْوِیْ بِهَا فِیْ جَهَنَّمَ. (البخاری کتاب الرقاق)

ترجمہ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: بندہ اللہ کی رضا کا کلمہ زبان سے نکالتا ہے جس کو وہ خاطر میں نہیں لاتا مگر اللہ تعالیٰ اس کے درجات کو بلند کر دیتا ہے اور بندہ اپنی زبان سے اللہ کی ناراضگی کا کوئی کلمہ نکالتا ہے جس کو وہ خاطر میں نہیں لاتا مگر وہ اس کے ساتھ جہنم میں جا گرتا ہے۔ (بخاری کتاب الرقاق)

تشریح

انسان اپنی زبان سے اچھی باتیں بھی نکالتا ہے اور بُری باتیں بھی۔ مگر بعض مرتبہ اس کی زبان سے ایسا بہترین کلمہ نکلتا ہے جو اللہ کی خوشنودی کا باعث ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے صلہ میں اس کے درجات کو بلند کر دیتا ہے یہ کلمہ اللہ کے شکر کا بھی ہوسکتا ہے اس سے شدید محبت کا بھی اور اسکی کمال درجہ عبودیت

کا بھی۔ جب اس کی زبان سے ایسا اعلیٰ وارفع کلمہ نکل جاتا ہے تو اس کو اندازہ نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ اس طرح اس کی قدر افزائی فرمائے گا۔ اس کے برخلاف انسان اللہ کی ناشکری، اس سے شکوہ وشکایت اور اسکی اور اسکے رسول کی شان میں گستاخی کی کوئی بات زبان سے نکالتا ہے جو اللہ کی ناراضگی کا باعث ہوتی ہے لیکن اسکو کوئی اندازہ نہیں ہوتا کہ کتنی سنگین بات ہے جو اس کی زبان سے نکلی ہے جس کے نتیجہ میں وہ جہنم کا مستحق ہوجاتا ہے۔

اس حقیقت کے پیش نظر انسان کو چاہئے کہ اپنی زبان کو نہایت ذمہ دارانہ طریقہ پر استعمال کرے۔ جو بات کرے سوچ سمجھ کر کرے اور خیر کی کرے۔ بات چیت میں محتاط رہے کہ کوئی بات ایسی نہ نکل جائے جو اللہ کی ناراضگی کا باعث ہو۔

انکساری درجہ کو بلند کر دیتی ہے

حدیث

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَانَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ وَمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ. (مسلم کتاب البر)

ترجمہ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: صدقہ مال کو کم نہیں کرتا۔ اور جو بندہ معاف کرتا ہے اللہ اس کی عزت کو بڑھا دیتا ہے اور جو شخص اللہ کے لئے تواضع (انکساری) اختیار کرتا ہے اللہ اس کا درجہ بلند کر دیتا ہے۔ (مسلم کتاب البر)

تشریح

اس حدیث میں تین ایسی باتوں کا ذکر ہوا ہے جن کی طرف سے لوگ بے اعتنائی برتتے ہیں کیونکہ ان کے جو خوشگوار نتائج مرتب ہوتے ہیں ان پر ان کی نگاہ نہیں ہوتی۔ پہلی چیز صدقہ ہے جس کو دینے سے آدمی اس لئے ہچکچاتا ہے کہ بظاہر اس سے مال میں کمی واقع ہوجاتی ہے لیکن حقیقت میں صدقہ سے برکت بھی ہوتی ہے

اور اللہ کے ہاں وہ مال محفوظ بھی رہتا ہے۔ جس کو وہ کئی گنا کر کے قیامت کے دن واپس کرے گا گویا یہ اللہ کے ہاں بنک بیلنس ہے اس لئے صدقے سے مال کے گھٹنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

دوسروں کے قصور معاف کرنے کے لئے آدمی مشکل سے آمادہ ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنے غصہ کو کم کرنا نہیں چاہتا لیکن دوسروں کے قصور معاف کرنے میں آدمی کی عزت بڑھتی ہے اور یہ ایک محسوس ہونے والی بات ہے۔

انکساری اختیار کرنے میں بھی آدمی کمتری محسوس کرتا ہے جب کہ یہ صفت اس کے درجہ کو بلند کر دیتی ہے بشرطیکہ وہ اللہ کے لئے تواضع اختیار کرے نہ کہ نمائش کے لئے۔

یہ بہترین اوصاف ہیں جن کو اپنے اندر پیدا کرنے کی ترغیب نبی ﷺ نے دی ہے۔

بیماری میں صبر

حدیث

قَالَ عَطَاءُ بْنُ اَبِیْ رَبَاحِ قَالَ لِی ابنُ عَبَّاسٍ : اَلَا اُرِیْکَ امْرَأَۃً مِّنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ ؟ قُلْتُ بَلٰی قَالَ : ھٰذِہِ الْمَرْأَۃُ السَّوْدَاءُ اَتَتِ النَّبِیَّ ﷺ قَالَتْ : اِنِّیْ اُصْرَعُ وَاِنِّیْ اَتَکَشَّفُ . فَادْعُ اللّٰہَ لِیْ قَالَ اِنْ شِئْتِ صَبَرْتِ وَلَکِ الْجَنَّۃُ . وَاِنْ شِئْتِ دَعَوْتُ اللّٰہَ اَنْ یُعَافِیْکَ قَالَتْ: اَصْبِرُ قَالَتْ : فَاِنِّیْ اَتَکَشَّفُ . فَادْعُ اللّٰہَ اَنْ لَا أَتَکَشَّفَ ، فَدَعَا لَھَا. (مسلم کتاب البر)

ترجمہ

عطاء ابن ابی رباح سے روایت ہے کہ مجھ سے حضرت ابن عباس نے کہا کیا میں تمہیں ایک جنتی عورت نہ دکھاؤں؟ میں نے کہا ضرور۔ انہوں نے کہا یہ سیاہ رنگ کی عورت ہے جو نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا مجھے مرگی کا عارضہ ہے اور اس حالت

میں میرا بدن کھل جاتا ہے لہٰذا آپ میرے لئے اللہ سے دعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو صبر کرو اور تمہارے لئے جنت ہے اور اگر چاہو تو میں اللہ سے دعا کروں کہ وہ تمہیں عافیت بخشے۔ اس نے عرض کیا میں صبر کروں گی البتہ میرا بدن جو کھل جاتا ہے اس کیلئے آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ بدن نہ کھلے۔ آپ نے اس کیلئے دعا کی۔ (مسلم کتاب البر)

تشریح

جس خاتون کا اس حدیث میں ذکر ہوا ہے اس کا رنگ تو سیاہ تھا لیکن ایمان کا حسن اس پر غالب تھا۔ اس نے نبی ﷺ کے ارشاد کو سن کر بیماری میں صبر کرنا پسند کیا تاکہ اسے جنت ملے اور اس بات پر اصرار نہیں کیا کہ نبی ﷺ اس کی صحتیابی کیلئے دعا کریں۔ کیسی صابر مؤمنہ خاتون تھیں وہ! بیماری ایک تکلیف دہ چیز ضرور ہے مگر اس کے پیچھے اللہ کی عظیم مصلحت کارفرما ہوتی ہے یعنی مؤمن کے صبر کا امتحان۔ اگر وہ صبر کرتا ہے تو اس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ اسے جنت عطاء فرماتا ہے۔ بعض مرتبہ ایک مریض یہ محسوس کرتا ہے کہ بہ کثرت دعا کرنے کے باوجود وہ شفایاب نہیں ہوتا۔ ایسے شخص کو مایوس نہیں ہونا چاہئے بلکہ اللہ پر توکل کرنا چاہئے اور اس سے خیر ہی کی امید رکھنا چاہئے کیا عجب کہ اللہ اس کیلئے جنت میں پہنچنے کی راہ ہموار کر رہا ہو۔

صبر اور شکر

حدیث

عَنْ صُھَیْبٍ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَجَباً لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ اِنَّ اَمْرَہٗ کُلَّہٗ خَیْرٌ . وَ لَیْسَ ذٰلِکَ لِأَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ . اِنْ اَصَابَتْہُ سَرَّاءُ شَکَرَ. فَکَانَ خَیْرًا لَہٗ . وَاِنْ اَصَابَتْہُ ضَرَّاءُ صَبَرَ، فَکَانَ خَیْرًا لَہٗ . (مسلم کتاب الزہد)

ترجمہ

حضرت صہیب کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مؤمن کا معاملہ عجیب ہے۔ اس

کے تمام امور میں خیر ہے اور یہ مؤمن ہی کے لئے خاص ہے۔ اگر اسے راحت پہنچتی ہے تو وہ شکر کرتا ہے اور یہ اس کے لئے باعث خیر ہوتا ہے۔ اور اگر اسے تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے اور یہ اس کے لئے باعث خیر ہوتا ہے۔ (مسلم کتاب الزھد)

تشریح

مطلب یہ ہے کہ مؤمن راحت میں ہو یا تکلیف میں اجر کا مستحق بن جاتا ہے بشرطیکہ وہ راحت میں اللہ کا شکر ادا کرے اور تکلیف میں صبر کرے۔ دونوں حالتوں میں اس کی آزمائش ہوتی ہے اور اجر کی بنا پر اس کے لئے باعث خیر ہی بن جاتی ہیں لہٰذا جس حال میں بھی ہو اپنے لئے باعث خیر ہی سمجھو۔ اس سے اطمینان قلب بھی حاصل ہوتا ہے اور توکل کی کیفیت بھی۔

آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرے

حدیث

قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ جَآءَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ تَقُوْلُ فِیْ رَجُلٍ اَحَبَّ قَوْماً وَّلَمْ یَلْحَقْ بِھِمْ ؟ فَقَالَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ : اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ . (البخاری کتاب الادب)

ترجمہ

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو ایسے لوگوں سے محبت رکھتا ہے جن سے ملا نہیں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدمی اس شخص کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرے۔ (بخاری کتاب الادب)

تشریح

مطلب یہ کہ جو شخص کسی سے محبت کرتا ہے وہ درحقیقت اس سے اپنے قلبی تعلق کا اظہار کرتا ہے لہٰذا قیامت کے دن اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اسے قلبی لگاؤ تھا نیک لوگوں سے محبت کرنے والا نیک لوگوں کے ساتھ ہوگا خواہ اس کی ان سے ملاقات نہ ہوئی ہو اور بُرے لوگوں سے محبت کرنے والا بُرے لوگوں کے ساتھ خواہ وہ ان سے ملا نہ ہو۔ قلبی میلانات، رجحانات اور جذبات انسان کو اچھے اور بُرے سانچے میں ڈھال دیتے ہیں اور ان میلانات کا نیک لوگوں کی طرف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر نیکی پرورش پا رہی ہے اور بُرے لوگوں کی طرف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر شر اُبھر رہا ہے۔

اچھی اور بُری صحبت کا اثر

حدیث

عَنْ اَبِیْ مُوْسیٰ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَثَلُ الْجَلِیْسِ الصَّالِحِ وَالْجَلِیْسِ السُّوْءِ کَمَثَلِ صَاحِبِ الْمِسْکِ وَ کِیْرِ الْحَدَّادِ لَا یُعْدِمُکَ مِنْ صَاحِبِ الْمِسْکِ اِمَّا تَشْتَرِیْهِ اَوْ تَجِدُ رِیْحَهٗ وَکِیْرُ الْحَدَّادِ یُحْرِقُ بَدَنَکَ اَوْ ثَوْبَکَ اَوْتَجِدُ مِنْهُ رِیْحاً خَبِیْثَةً . (البخاری کتاب البیوع)

ترجمہ

ابوموسیٰ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نیک شخص کے پاس بیٹھنے والے اور بُرے شخص کے پاس بیٹھنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے مُشک والا اور لوہار کی بھٹی۔ مشک بردار سے تم کو ضرور فائدہ پہنچے گا یا تو تم مشک خرید لوگے یا تم اس کی خوشبو پاؤ گے۔ لیکن لوہار کی بھٹی تمہارے جسم کو یا کپڑوں کو جلا دے گی یا تمہیں اس

کی بدبو ملے گی۔ (بخاری کتاب البیوع)

تشریح

مشک بردار اور لوہار کی مثالیں پیش کر کے نیک صحبت اور بُری صحبت کے اثرات کو واضح کیا گیا ہے۔ نیک آدمی کی صحبت سے آدمی فیض ہی پائے گا اور بُرے آدمی کی صحبت سے بُرا اثر ہی قبول کرے گا اس لئے اپنے دوستوں کا انتخاب آدمی کو سوچ سمجھ کر کرنا چاہیئے۔ کتنے لوگ ہیں جو بُری صحبت اختیار کر کے بُرے بن گئے اور کتنے لوگ ہیں جو نیک صحبت کر کے نیک بن گئے۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے۔

صحبت صالح کند صالح ترا

یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ نیکی پر آمادہ کرنے والی کتابیں اور صالح لٹریچر انسان کے بہترین ساتھی ہیں۔ ایسی کتابوں سے آدمی گھر بیٹھے فیضیاب ہوتا ہے اور بُرائی پر اُکسانے والی کتابیں اور فاسد لٹریچر انسان کے بدترین ساتھی ہیں جو اسے بدکردار بنا دیتے ہیں۔

انصاف کرنے والوں کا بلند درجہ

حدیث

وَفِیْ حَدِیْثِ زُهَيْرٍ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الْمُقْسِطِيْنَ ، عِنْدَاللّٰهِ ، عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ ، عَنْ يَمِيْنِ الرَّحْمٰنِ عَزَّوَجَلَّ وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِيْنٌ، الَّذِيْنَ يَعْدِلُوْنَ فِىْ حُكْمِهِمْ وَ اَهْلِيْهِمْ وَمَا وَلُوْا. (مسلم کتاب الامارات)

ترجمہ

زھیر کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انصاف کرنے والے اللہ کے پاس نور کے منبروں پر ہوں گے رحمٰن عزوجل کے داہنی جانب اور اس کے دونوں ہاتھ داہنے ہی ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے فیصلے میں عدل کرتے ہیں اور اپنے گھر والوں میں بھی اور جن

کے وہ والی ہوتے ہیں ان میں بھی۔ (مسلم کتاب الامارات)

تشریح

عدل کی صفت انسان کو اعتدال پر قائم رکھتی ہے اور اسے بندگان خدا کے حقوق ادا کرنے اور کسی کے ساتھ زیادتی نہ کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو انصاف کرنے والے لوگ ہی پسند ہیں چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے :

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۔ (حجرات:۹)

''اللہ انصاف کرنے والے لوگوں کو پسند کرتا ہے۔''

یہ انصاف اس صورت میں بھی لازم ہے جب کہ ایک مسلمان حاکمانہ اور عدالتی اختیارات رکھتا ہو کہ اس کے تمام فیصلے عدل و انصاف پر مبنی ہونے چاہیئے اسی طرح اپنے گھر والوں میں انصاف کرنا چاہیئے یعنی ان کے حقوق ٹھیک ٹھیک ادا کرنا چاہیئے اور ان کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کرنا چاہیئے۔ اور پھر اسے اپنے دائرہ کار میں جن لوگوں پر اختیار حاصل ہو ان کے ساتھ بھی عدل کرنا چاہیئے۔

ایسے عدل کرنے والے آخرت میں نہایت اعلیٰ درجہ پر فائز ہوں گے۔ وہ نور کے منبروں پر رحمٰن کے داہنی جانب ہوں گے یعنی وہ بہت بڑی سعادت پائیں گے۔ ضمناً حدیث میں یہ بھی صراحت ہے کہ اللہ کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں۔ داہنا ہونا مبارک ہونے کی علامت ہے اور اللہ کے دونوں ہاتھ مبارک ہیں۔ اس کے ہاتھوں کو مخلوق پر قیاس نہیں کیا جا سکتا اور نہ ان کی کیفیت ہم جان سکتے ہیں۔

کردار کی بلندی

حدیث

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِىِّ ﷺ قَالَ سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِىْ ظِلِّهٖ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهُ الْاِمَامُ الْعَادِلُ وَشَابٌّ نَشَاَ فِىْ عِبَادَةِ رَبِّهٖ وَ رَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ فِى الْمَسَاجِدِ وَ رَجُلَانِ تَحَابَّا فِى اللّٰهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَ تَفَرَّقَا عَلَيْهِ وَ رَجُلٌ طَلَبَتْهُ ذَاتُ مَنْصَبٍ

وَّجَمَالٍ فَقَالَ اِنِّیۡ اَخَافُ اللّٰهَ وَ رَجُلٌ تَصَدَّقُ اِخْفَآءً حَتّٰی لَا تَعْلَمُ شِمَالُهٗ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهٗ وَ رَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِياً فَقَاضَتُ عَيْنَاهُ. (البخاری کتاب صلوۃ الجماعۃ)

ترجمہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: سات اشخاص ایسے ہیں جن پر اللہ اپنا سایہ (عاطفت) فرمائیگا جس دن کہ اس کے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ (ایک) امام عادل، (دوسرا) وہ نوجوان جو اپنے رب کی عبادت میں پروان چڑھا، (تیسرا) وہ جس کا دل مسجدوں میں اٹکا ہوا ہو، (چوتھا) وہ دو شخص جو اللہ کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کریں۔ اس مقصد سے اکٹھا ہوں اور اسی مقصد سے جدا ہوں (پانچواں) وہ شخص جس کو جاہ و جمال والی عورت نے بلایا تو اس نے کہا میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ (چھٹا) وہ شخص جس نے پوشیدہ طریقہ پر صدقہ کیا یہاں تک کہ اس کے بائیں ہاتھ کو نہیں معلوم کہ اس کے داہنے ہاتھ نے کیا خرچ کیا اور (ساتواں) وہ شخص جس نے اللہ کو تنہائی میں یاد کیا تو اس کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ (بخاری کتاب صلوۃ الجماعۃ)

تشریح

حدیث میں جن سات اشخاص کا ذکر ہوا ہے وہ کردار کے بلند اور بہترین اوصاف کے حامل لوگوں کی مثالیں ہیں۔ امام عادل سے مراد اسلامی حکومت کا سربراہ ہے جو عدل وانصاف کے ساتھ حکومت کرے۔ اقتدار ہاتھ میں آجانے کے بعد دوسروں کے ساتھ انصاف کرنا، حکومت کے نظام کو عدل پر قائم کرنا اور عادلانہ قوانین جاری کرنا کوئی آسان کام نہیں لیکن جو شخص اتنے اونچے مقام پر پہنچ کر عدل وانصاف کا دامن نہیں چھوڑتا وہ ایک ایسے وصف کا حامل ہے جو کمال درجہ کے تقویٰ ہی سے پیدا ہو سکتا ہے۔

جوانی کی عمر میں عبادت سے ایسا شغف کہ گویا عبادت ہی میں اس کی پرورش ہو رہی ہے اللہ سے محبت اور اس سے تعلق کی مضبوطی کا بین ثبوت ہے۔

مسجدوں میں دل کا اٹکا ہوا ہونا بھی بڑی خوبی کی بات ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ نماز کی وقت پر ادائیگی اور باجماعت ادائیگی کی فکر کرتا ہے نیز اسے تلاوتِ قرآن اور ذکر الٰہی سے بہت زیادہ رغبت ہے۔ مسجد میں دل اٹکا ہوا ہونے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ آدمی اپنی دوسری ذمہ داریوں کی طرف سے بے اعتنائی برتے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اپنی تمام ذمہ داریوں کے درمیان اس کا مرکز اور محور مسجد ہے۔

دو اشخاص کا اللہ کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرنا اور اسی مقصد سے ملنا اور اسی مقصد کو لئے ہوئے جدا ہونا ان کے انتہائی خلوص کی علامت ہے۔ ان کا آپس میں ملنا دین کو سمجھنے سمجھانے، اس کی دعوت، تبلیغ اللہ کی راہ میں جدوجہد اور دوسرے دینی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ہوتا ہے کوئی ذاتی مفاد ان کے پیش نظر نہیں ہوتا جس کے لئے وہ ایک دوسرے سے محبت کرنے لگیں اور جب وہ جدا ہوتے ہیں تو نیک جذبات کے ساتھ جدا ہوتے ہیں۔ نفرت کی کوئی بات ان کے درمیان نہیں ہوتی اس لئے یہ وصف نہایت ہی قدر کا مستحق ہے۔

اپنے نفس پر ایسی حالت میں قابو رکھنا جب کہ پہل عورت کی طرف سے ہو اور وہ بھی جاہ و جمال والی ہو بڑا کٹھن کام ہے اور اللہ کا ڈر ہی اسے اس بُرے کام سے بچا سکتا ہے۔ اسکی بہترین مثال حضرت یوسف علیہ السلام کی ہے جو عزیز مصر کی بیوی کے ورغلانے میں نہیں آئے۔ یہ اعلیٰ وصف مضبوط کردار کے شخص ہی میں ہو سکتا ہے۔

صدقہ ظاہر کر کے دینا بھی اچھا ہے بشرطیکہ ریا کے لئے نہ ہو لیکن اگر پوشیدہ طور پر دیا تو یہ بہتر ہے۔ اور جو شخص اس طرح پوشیدگی میں صدقہ دیتا ہے کہ کسی کو بھی اس کی خبر نہیں ہو پاتی تو اس کا یہ عمل اس کے بے لوث ہونے اور خالصۃً لوجہ اللہ صدقہ کرنے کا ثبوت ہے۔

''اس کے بائیں ہاتھ کو نہیں معلوم کہ اس کے داہنے ہاتھ نے کیا خرچ کیا'' نہایت بلیغ انداز ہے اس بات کو بیان کرنے کا کہ وہ اپنے صدقہ کو اس طرح پوشیدہ رکھ کر خرچ کرتا ہے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو پاتی یہاں تک کہ قریبی لوگوں کو بھی۔ اللہ کو تنہائی میں یاد کرنا اور اس کی یاد سے آنکھوں کا اشکبار ہونا اس بات کی علامت ہے کہ دل اللہ کی محبت سے سرشار ہے اور شکر کے جذبات سے اس کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے ہیں۔ اور چونکہ یہ بات خلوت میں ہوتی ہے اس لئے ریا کا اس میں کوئی شائبہ نہیں ہے۔ اس کا یہ خلوص اور اس کی یہ والہانہ محبت قیامت کے دن اسے اللہ کے سایۂ رحمت میں جگہ دے گی۔

تجربہ سے سبق حاصل کرنا

حدیث

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهِ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ لَا یُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَّاحِدٍ مَرَّتَیْنِ . (البخاری کتاب الادب)

ترجمہ

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مؤمن ایک سوراخ سے دومرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔ (بخاری کتاب الادب)

تشریح

مؤمن سے مراد نام کا مسلمان نہیں بلکہ سچا اور مخلص مؤمن ہے۔ اس کی خصوصیت حدیث میں یہ بیان کی گئی ہے کہ اگر زمین کے کسی سوراخ پر اس کا پاؤں پڑ گیا اور اس کے اندر چھپے ہوئے سانپ نے اسے کاٹ لیا تو وہ اس سے سبق حاصل کرے گا اور محتاط رہے گا کہ دوبارہ اس سوراخ پر پاؤں نہ پڑ جائے۔ اس مثال سے بیان کرنا یہ مقصود ہے کہ اگر مؤمن کو ٹھوکر لگتی ہے تو وہ سنبھل کر چلنے کی کوشش کرتا ہے اور تجربہ سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ معاملات دین کے ہوں یا دنیا کے وہ نہایت ہوشمندی سے ان کو انجام دیتا ہے۔

لوگوں کے لئے آسانی پیدا کرنا

حدیث

عَنْ سَعِیْدِ ابْنِ اَبِیْ بُرْدَةَ قَالَ سَمِعْتُ اَبِیْ قَالَ بَعَثَ النَّبِیُّ ﷺ اَبِیْ وَ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ اِلَی الْیَمَنِ فَقَالَ : یَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا وَ بَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا وَ تَطَاوَعَا .

ترجمہ

سعید بن ابی بردہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو کہتے ہوئے سنا کہ نبی ﷺ نے میرے والد (ابوموسیٰ) اور معاذ بن جبل کو یمن بھیجا تو فرمایا: آسانی پیدا کرو تنگی پیدا نہ کرو خوشخبری دو متنفر نہ کرو اور دونوں آپس میں موافقت کرو۔ (بخاری کتاب الاحکام)

تشریح

یہ نہایت اہم ہدایت ہے جو حاکمانہ اختیارات رکھنے والوں کے لئے بھی ہے اور دعوت و تبلیغ اور ارشاد و اصلاح کا کام کرنے والوں کے لئے بھی ان کو چاہئیے کہ دین میں جو آسانیاں رکھدی گئی ہیں ان کو پوری طرح ملحوظ رکھیں اور اس میں شدت اور تنگی پیدا نہ کریں۔ تنگی دین کے احکام میں موشگافیاں کرنے سے پیدا ہوتی ہے اور بدعتوں کا اضافہ کرنے سے بھی دین بوجھل ہو جاتا ہے۔ عقیدۂ توحید کو اسلام نے ایسے فطری دلائل کے ساتھ پیش کیا کہ اس کو آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے لیکن بعد کے دور میں کلامی بحثوں نے کیسے کیسے مسائل پیدا کردئے۔

دوسری ہدایت آپ نے یہ دی کہ خوشخبری سناؤ متنفر نہ کرو۔ یعنی جو لوگ دین کو قبول کریں انہیں ایمان اور عمل صالح کے نتیجہ میں ملنے والی ابدی کامیابی کی بشارت دو تاکہ ان میں مزید رغبت پیدا ہو۔ کوئی ایسی بات نہ کرو کہ وہ دین سے متنفر ہو جائیں۔

تیسری ہدایت آپ نے یہ دی کہ حضرت ابوموسیٰ اور حضرت معاذ دونوں حضرات جن کو یمن بھیجا جا رہا ہے

آپس میں موافقت کریں اور اختلاف سے بچیں کہ اتحاد اور اتفاق کے بغیر دین کی خدمت بخوبی انجام نہیں دی جاسکتی۔ یہاں اختلاف سے مراد وہ اختلاف ہے جس کے نتیجہ میں اتحاد پارہ پارہ ہوجاتا ہے اور ایک دوسرے سے علیحدگی کی صورتیں پیدا ہوجاتی ہے اس لئے حتی الامکان اتفاق کی کوشش کرنا چاہئیے۔

جتنی بڑی تکلیف اُتنا بڑا اجر

حدیث

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ يُوْعَکُ فَقُلْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّکَ تُوْعَکُ وَعْکاً شَدِيْداً .قَالَ اَجَلْ اِنِّیْ اُوْعَکُ کَمَا يُوْعَکُ رَجُلَانِ مِنْکُمْ قُلْتُ ذٰلِکَ اِنَّ لَکَ اَجْرَيْنِ قَالَ اَجَلْ ذٰلِکَ کَذٰلِکَ مَامِنْ مُسْلِمٍ يُصِيْبُهُ اَذًی شَوْکَةٌ فَمَا فَوْقَهَا اِلَّا کَفَّرَ اللّٰهُ بِهَا سَيِّاٰتِهٖ کَمَا تَحُطُّ الشَّجَرَةُ وَرَقَهَا. (البخاری کتاب المرض)

ترجمہ

حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کو بخار تھا۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ کو تیز بخار ہے۔ فرمایا مجھے اتنا بخار ہے جتنا تم میں سے دو آدمیوں کو ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا یہ اس لئے کہ آپ کے لئے دوہرا اجر ہے۔ فرمایا ہاں یہ بات ہے۔ اسی طرح ایک مسلمان کو کانٹا چبھنے کی یا اس سے زیادہ جو تکلیف بھی پہنچتی ہے اللہ اس کے سبب اس کے گناہ ساقط کردیتا ہے جس طرح درخت اپنے پتے جھاڑ دیتا ہے۔ (بخاری کتاب المرض)

تشریح

یہ نبی ﷺ کے مرض وفات کی بات ہے کہ آپ کو اتنا تیز بخار تھا کہ کوئی آدمی اس کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ دو

آدمیوں کو جو زیادہ سے زیادہ بخار ہوسکتا ہے اتنا بخار آپ کو ہوا تو اندازہ لگائیے کہ وہ بخار کس ڈگری کا رہا ہوگا۔ اس کے باوجود آپ کے ہوش وحواس برقرار رہے اور اس حالت میں بھی آپ نے یہ اہم بات ارشاد فرمائی کہ ایک مسلمان کو جو تکلیف بھی پہنچتی ہے اس کے گناہوں کو ساقط کرنے کا سبب بن جاتی ہے۔ یہ خوشخبری ان مسلمانوں کو سنائی گئی ہے جن کی زندگیاں واقعی اسلامی ہوں۔ رہے وہ مسلمان جن کو گناہ کا کوئی احساس ہی نہیں ہے اور جو فسق وفجور میں غرق رہتے ہیں ان کے گناہ کیوں ساقط ہونے لگیں!

تکلیف باعث خیر

حدیث

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّصِبْ مِنْهُ. (بخاری کتاب المرض)

ترجمہ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ جس کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے اس کو تکلیف میں مبتلا کردیتا ہے۔ (بخاری کتاب المرض)

تشریح

اس حدیث میں جس تکلیف کا ذکر کیا گیا ہے وہ ایک مخلص مؤمن کو پہنچنے والی تکلیف ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے تکلیف میں اس لئے مبتلا کرتا ہے کہ اس کے ایمان، صبر اور توکل میں اضافہ ہو اور وہ اجر عظیم کا مستحق قرار پائے۔ یہ بہت بڑا خیر ہے جو تکلیف کے اندر چھپا ہوا ہوتا ہے لیکن ناسمجھ لوگ اس مصلحت کو نہیں سمجھتے اور اللہ سے بدگمان ہوجاتے ہیں۔

قناعت پسندی

حدیث

عَنْ عَبْدِ اللّٰـهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ اَسْلَمَ وَ رُزِقَ كَفَافاً وَقَنَّعَهُ اللّٰهُ بِمَا آتَاهُ . (مسلم کتاب الزکاۃ)

ترجمہ

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس شخص نے فلاح پائی جس نے اسلام قبول کیا اور جسے بقدر کفاف رزق دیا گیا اور اللہ نے اسے اس پر قناعت بخشی۔ (مسلم کتاب الزکاۃ)

تشریح

اس حدیث میں قناعت پسندی کی ترغیب دی گئی ہے۔ بقدر کفاف یعنی ضرورت کے بقدر رزق پانے پر جو مسلمان قناعت کرتا ہے اور زیادہ کا حریص نہیں بنتا اس کے لئے اُخروی کامیابی کی بشارت ہے۔ قناعت پسندی ایک مسلمان کو اللہ کا شکر گزار بندہ بنا دیتی ہے۔ جبکہ مال و دولت کی حرص دنیا پرستی میں مبتلا کرتی ہے۔

تکلیف گناہوں کو مٹا دیتی ہے

حدیث

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ مُّصِيْبَةٍ تُصِيْبُ الْمُسْلِمَ اِلَّا كَفَّرَ اللّٰهُ بِهَا عَنْهُ حَتّٰى الشَّوْكَةِ يُشَاكُهَا.

(البخاری کتاب المرض)

ترجمہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زوج النبی ﷺ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان کو جو تکلیف بھی پہنچتی ہے اللہ اس کے سبب اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے یہاں تک کہ کانٹا چبھنے کی تکلیف بھی۔ (البخاری کتاب المرض)

تشریح

مراد وہ مسلمان ہے جو اپنے اسلام میں سچا ہو یعنی جس نے واقعی اپنے کو اللہ کے حوالہ کر دیا ہے اور اس کی اطاعت میں زندگی گزار رہا ہے۔ ایسے مسلمان کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اللہ سے بدگمان نہیں ہوتا بلکہ آزمائش سمجھ کر صبر کرتا ہے اس لئے یہ تکلیف اس کے گناہوں کو مٹانے کا باعث بن جاتی ہے۔ تکلیف خواہ بڑی ہو یا چھوٹی یہاں تک کہ کانٹا چبھنے کی تکلیف ہی کیوں نہ ہو بے نتیجہ نہیں رہتی۔ بلکہ اس کی وجہ سے اس کے گناہ مٹا دئے جاتے ہیں۔ گناہوں کے مٹائے جانے کا یہ تصور تکلیف میں قلبی اطمینان کا سبب بن جاتا ہے اور اس سے تکلیف کا احساس بھی کم ہو جاتا ہے۔

مسلمان مسلمانوں کیلئے سلامتی کا باعث

حدیث

عَنْ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍ وَ يَقُوْلُ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَا نِهٖ وَيَدِهٖ وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ. (بخاری کتاب الرقاق)

ترجمہ

حضرت عامرؓ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمرو کو کہتے ہوئے سنا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مسلم وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامتی میں رہیں اور مہاجر وہ ہے جو ان باتوں کو جن سے اللہ نے منع کیا ہے ترک کردے۔ (بخاری کتاب الرقاق)

تشریح

مذکورہ حدیث میں دو اصطلاحی الفاظ کی معنویت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے مسلم کے لفظ کا مادہ سلم ہے یعنی سلامتی میں رہنا۔ یہ لفظی مناسبت اس معنوی حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ مسلم کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامتی میں رہیں گے۔ وہ نہ کسی پر زبان درازی کرے گا اور نہ دست درازی کہ یہ اس کے مسلم ہونے کا کھلا تقاضا ہے۔

دوسرا اصطلاحی لفظ مہاجر ہے یعنی ہجرت کرنے والا۔ یہ لفظ ہجر سے ہے جس کے معنی چھوڑنے کے ہیں۔ لفظ کی یہ اصلیت اس معنوی حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ مہاجر ان تمام باتوں کو ترک کردے جن سے اللہ نے منع کیا ہے۔ اگر اس نے اللہ کے حکم سے اپنے وطن کو چھوڑا ہے تو جن باتوں سے اللہ نے منع کیا ہے ان کو نہ چھوڑنا ہجرت کی حقیقت سے کسی قدر نا مناسبت رکھنے والی بات ہے!

بدگمانی کا موقع پیدا نہ ہونے دینا

حدیث

عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اَتَتْهُ صَفِيَّةُ بِنْتُ حُيَيٍّ فَلَمَّا رَجَعَتِ انْطَلَقَ مَعَهَا فَمَرَّ بِهٖ رَجُلَانِ مِنَ الْاَنْصَارِ فَدَعَا هُمَا فَقَالَ اِنَّهَا صَفِيَّةُ قَالَا سُبْحَانَ اللّٰهِ ؟ قَالَ : اِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِيْ مِنِ ابْنِ اٰدَمَ مَجْرَى الدَّمِ. (بخاری کتاب الاحکام)

ترجمہ

علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے پاس صفیہ بنت حیؓ آئیں اور جب لوٹنے لگیں تو آپ بھی اس کے ساتھ ہو گئے۔ راستہ میں انصار کے دو شخص آپ کے پاس سے گزرے تو آپ نے ان کو بلا کر کہا یہ صفیہ ہیں۔ انہوں نے کہا سبحان اللہ آپ نے فرمایا شیطان آدمی کے اندر خون کی طرح دوڑتا ہے۔'' (بخاری کتاب الاحکام)

تشریح

نبی ﷺ کے بارے میں بدگمانی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن آپ نے امت کو یہ تعلیم دینے کے لئے کہ وہ بدگمانی اور تہمت کا موقع پیدا نہ ہونے دیں راستہ سے گزرنے والے انصار کے دو افراد کو بلا کر فرمایا کہ یہ صفیہ ہیں جو میرے ساتھ ہیں۔ آپ نے شیطان کی وسوسہ اندازی سے چوکنا رہنے کی ہدایت فرمائی کہ وہ خون کی طرح انسان کے اندر گردش کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کے باطن پر اثر انداز ہونے کی پوری پوری کوشش کرتا ہے اور اس کی ایک تدبیر بدگمانی پیدا کرنا بھی ہے۔ اس لئے ہر شخص کو محتاط رہنا چاہئے اور کوئی ایسا موقع پیدا نہیں ہونے دینا چاہئے جس سے لوگ اس کے بارے میں بدگمان ہو جائیں۔ مثال کے طور پر کسی کے پاس یکا یک دولت آ گئی تو قبل اس کے کہ لوگ اس کے بارے میں چہ میگوئیاں کریں اسے چاہئے کہ اپنی پوزیشن لوگوں پر واضح کردے۔

تکلیف پہنچنے پر اگر مگر کی باتیں نہ کرنا

حدیث

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِیُّ خَیْرٌ وَ اَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِیْفِ . وَفِیْ كُلٍّ خَیْرٌ . اِحْرِصْ عَلٰی مَا یَنْفَعُكَ وَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ . وَلَا تَعْجَزْ وَاِنْ اَصَابَكَ شَیْءٌ فَلَا تَقُلْ لَوْ اَنِّیْ فَعَلْتُ كَانَ كَذَا وَكَذَا . وَلٰكِنْ قُلْ قَدَرُ اللّٰهِ وَمَا شَاءَ فَعَلَ فَاِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّیْطَانِ . (مسلم کتاب القدر)

ترجمہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا طاقتور مؤمن بہتر ہے اور اللہ کو زیادہ پسند ہے بہ نسبت کمزور مؤمن کے۔ اور دونوں میں خیر ہے۔ جو چیز تمہارے لئے مفید ہو۔ اس کے خواہش مند بنو اور اللہ سے مدد مانگو اور حوصلہ نہ کھو بیٹھو۔ اگر کوئی تکلیف تمہیں پہنچے تو یہ نہ کہو کہ اگر میں نے یہ کیا ہوتا تو ایسا نہ ہوتا بلکہ کہو کہ اللہ نے مقدر میں لکھا تھا اور اس نے جو چاہا ہوا۔ اگر مگر شیطان کیلئے راہ کھول دیتا ہے۔ (مسلم کتاب القدر)

تشریح

اس حدیث میں تین باتیں ارشاد ہوئی ہیں:

ایک یہ کہ طاقتور مؤمن کمزور مؤمن سے بہتر ہے۔ طاقتور سے مراد جسمانی طاقت رکھنے والا بھی ہے اور اسلحہ سے لیس بھی تا کہ دشمنانِ اسلام کا مقابلہ کر سکے لیکن اگر کوئی مؤمن نہ جسمانی طاقت رکھتا ہو اور نہ اسلحہ کی قوت تو یہ اس کی مجبوری ہے مگر اس کا مؤمن ہونا باعث خیر ہی ہے۔ معلوم ہوا کہ جہاں تک ایک مسلمان کے بس میں ہو ترجیح قوی بن کر رہنے میں ہے نہ کہ کمزور بن کر رہنے میں۔

دوسری بات یہ ارشاد ہوئی ہے کہ جو مفید چیزیں حاصل نہیں ہیں ان کی بنا پر پست حوصلہ نہ بنو بلکہ ان کے

طالب بن کر اللہ سے مدد مانگو۔ یہ ارشاد ہے جہاد کے لئے مفید چیزیں حاصل کرنے کی طرف۔ تیسری بات یہ ارشاد ہوئی ہے کہ کسی تکلیف کے پہنچنے پر یہ نہیں کہنا چاہئے اگر میں ایسا کرتا تو یہ تکلیف نہ پہنچتی بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ اللہ نے جو مقدر میں لکھا تھا اور اس کی جو مشیت تھی اس کے مطابق ہوا۔ اس سے اللہ کی تقدیر پر ایمان پختہ ہو جاتا ہے لیکن اگر مگر کی باتیں کرنے سے شیطان کو گمراہ کن باتیں دل میں ڈالنے کا موقع ملتا ہے۔

قرض لینے سے گریز

حدیث

عَنْ عَائِشَةَ اَخْبَرَتْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ یَدْعُوْ فِی الصَّلٰوةِ وَ یَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْمَاْثَمِ وَ الْمَغْرَمِ فَقَالَ لَهٗ قَائِلٌ مَّا اَكْثَرُ مَا تَسْتَعِیْذُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مِنَ الْمَغْرَمِ قَالَ اِنَّ الرَّجُلَ اِذَا غَرِمَ حَدَّثَ فَكَذَبَ وَوَعَدَ فَاَخْلَفَ . (البخاری کتاب الاستقراض)

ترجمہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں دعا مانگتے اور کہتے: اے اللہ! میں گناہ اور قرض سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ کسی نے عرض کیا: کیا بات ہے آپ قرض سے اکثر پناہ مانگتے ہیں؟ فرمایا: جب کوئی شخص مقروض ہوتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ کرتا ہے تو اس کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ (البخاری کتاب الاستقراض)

تشریح

قرض لینے کی اسلام نے حوصلہ افزائی نہیں کی بلکہ اپنی واقعی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے اس کو روا رکھا۔ قرض دوسرے کا مال ہوتا ہے جسے وہ استعمال کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ وعدہ کے مطابق اس کی واپسی ضروری ہے الا یہ کہ تنگدستی کی وجہ سے آدمی وقت پر ادا کرنے سے قاصر رہے اور سہولت فراہم ہونے تک

ادائیگی کو مؤخر کرے۔لیکن جو شخص قرض لے کر ادائیگی کی طرف سے بے پرواہ ہو جاتا ہے وہ احسان فراموش ہوتا ہے اور بدسلوکی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ پھر قرض لینے کے بعد دو برائیاں آدمی میں آسانی سے پیدا ہو جاتی ہیں ایک جھوٹ بولنا اور دوسرے وعدہ خلافی کرنا جیسا کہ مذکورہ حدیث میں بیان ہوا ہے اسی لئے نبی ﷺ قرض سے اللہ کی پناہ مانگا کرتے تھے۔ یہ گویا امت کو اس بات کی تعلیم ہے کہ وہ جہاں تک ہو سکے قرض لینے سے بچیں۔حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ اس شخص کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے جو قرض چھوڑ کر مرجاتا تھا تاکہ لوگ مرنے سے پہلے ہی قرض کی ادائیگی کا انتظام کریں۔قرآن میں جہاں وراثت کے احکام بیان ہوئے ہیں وہاں یہ صراحت بھی ہے کہ مرنے والے کے قرض کی ادائیگی کے بعد وراثت تقسیم کی جائے۔آج لوگوں کا حال عجیب ہے۔ اچھے خوشحال لوگ بھی کسی حقیقی ضرورت کے بغیر قرض لیتے ہیں اور دوسروں کے مال کا بے جا استعمال کرتے ہیں اور انہیں ادائیگی کی کوئی فکر نہیں ہوتی۔ ایسے لوگ غیر ذمہ دارانہ پن اور اخلاق گراوٹ کا ثبوت تو دیتے ہی ہیں ساتھ ہی ایک بوجھ ہے جو لے کر اس دنیا سے رخصت ہوتے ہیں۔

کاشت کاری اور شجر کاری باعث خیر

حدیث

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَغْرِسُ غَرَسًا اَوْ یزرَعُ زَرعًا فَیَاْکُلُ مِنْهُ طَیْرٌ اَوْ اِنْسَانٌ اَوْ بَهِیْمَةٌ اِلَّا کَانَ لَهٗ بِهٖ صَدَقَةٌ . (البخاری کتاب المزارعۃ)

ترجمہ

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو مسلمان بھی پودا لگاتا ہے یا کھیتی لگاتا ہے اور اس سے پرندے، انسان یا جانور کھاتے ہیں تو وہ اس کے لئے صدقہ ہو جاتا ہے۔(البخاری کتاب المزارعۃ)

تشریح

اس حدیث میں شجر کاری اور کاشت کاری کو باعث خیر بتایا گیا ہے کہ ان کی پیداوار سے پرندے بھی فائدہ اٹھاتے ہیں اور انسان اور جانور بھی۔اس طرح جن کو بھی ان سے غذا میسر آتی ہے اس خدمت کو انجام دینے والے کے حق میں باعث اجر بن جاتی ہے۔ پرندے اور جانور تو اپنا حصہ وصول کر لیتے ہیں لیکن انسانوں میں مساکین کو ان کا حق ادا کیا جاتا ہے۔لہٰذا ایک مسلمان کا یہ خدمت انجام دینا شرعاً پسندیدہ عمل ہے۔ بالفاظ دیگر اسلام نے شجر کاری، باغبانی اور کاشت کاری کی حوصلہ افزائی کی ہے۔

یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے بھی صحیح ہے اور قرآن کی ان آیتوں سے بھی مطابقت رکھتی جن میں زراعت کو اللہ کا احسان بتایا گیا ہے اور حرث (کھیتی) کا ذکر اللہ کی نعمت کی حیثیت سے ہوا ہے۔لہٰذا یہ خیال کرنا صحیح نہیں کہ اسلام نے مسلمانوں کے لئے کھیتی باڑی کرنے کی حوصلہ شکنی کی ہے البتہ اس میں ایسی مشغولیت کہ جہاد فی سبیل اللہ کو پس پشت ڈال دیا جائے۔یقیناً ناپسندیدہ بات ہے۔

نکاح کے لئے دیندار عورت کا انتخاب

حدیث

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ تُنکَحُ الْمَرْأَةُ لِاَرْبَعٍ لِّمَا لِهَا وَلِحَسْبِهَا وَجمَالِهَا وَلِدِیْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّیْنِ تَرِبَتَ یَدَاکَ . (البخاری کتاب النکاح)

ترجمه

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: عورت سے نکاح چار چیزوں کی بنا پر کیا جاتا ہے۔ اس کے مال کی وجہ سے، اس کے حسب کی وجہ سے، اس کے حُسن کی وجہ سے اور اس کے دین کی وجہ سے۔ تو تم دین دار عورت سے نکاح کر کے کامیاب ہو جاؤ۔ تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں۔ (البخاری کتاب النکاح)

تشریح

نکاح کے لئے اگر صحیح العقیدہ اور نیک خاتون کا انتخاب کیا گیا ہے تو صالح مرد کے لئے اس سے زیادہ سکون کی کوئی چیز نہیں ہو سکتی اور اس کا باعث خیر و برکت ہونا بھی ظاہر ہے۔ اولاد کی تربیت بھی صحیح طور سے ہو سکے گی اور گھر بھی دین کے نور سے روشن ہوگا اس لئے دوسری ترجیحات کے مقابلہ میں دینداری ہی قابل ترجیح ہے البتہ اگر اس کے ساتھ عورت حسن و جمال والی ہے تو نور علی نور۔

حسب بھی دینوی لحاظ سے ایک کشش رکھنے والی چیز ہے لیکن دینداری کے مقابلہ میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ رہا مال تو عورت کے مال سے مرد کو کیا مطلب؟ عورت کا مال عورت کے لئے ہے پھر مرد اس کو للچائی ہوئی نظر سے کیوں دیکھے؟ اگر وہ سمجھتا ہے کہ مالدار عورت اپنے ساتھ خوب جہیز لائے گی تو یہ اور بھی غلط ہے اور ایسی شادیاں کامیاب نہیں ہوتیں اسی لئے آپ نے فرمایا تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں یعنی اگر تمہاری ترجیحات دین کے علاوہ کچھ اور ہوں تو تم اپنے ہاتھ خاک آلود کرو گے۔ مطلب یہ یہ کہ ایک نامناسب کام کرو گے۔

معصیت کے کام

اور

ناخوشگوار باتیں

مسلمان کا قتل کافرانہ عمل ہے

حدیث

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِیَّ ﷺ يَقُوْلُ : لَا تَرْجِعُوْا بَعْدِیْ كُفَّارًا يَّضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ . (البخاری کتاب الفتن)

ترجمہ

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: میرے بعد کافر نہ ہوجانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ (البخاری کتاب الفتن)

تشریح

یہ حدیث سخت انتباہ (Warning) ہے ان مسلمانوں کے لئے جو آپس میں ایک دوسرے کا خون ناحق بہاتے ہیں۔ قرآن کریم میں ایک مؤمن کے عمداً قتل پر جہنم میں ہمیشہ رہنے کی وعید سنائی گئی ہے اور مذکورہ حدیث ایسے قتل کو کافرانہ عمل قرار دیتی ہے۔ اس سے ایک مسلمان کے قتل کی سنگینی کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس زبردست تنبیہ کے باوجود مسلمان آپس کے خون خرابے اور خانہ جنگی میں مبتلا ہیں اور موجودہ دور میں تو خون کی بڑی ارزانی ہوگئی ہے جس کی بدترین صورت دہشت گردی ہے جس میں کتنے بے گناہ مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اُتارا جاتا ہے۔ کاش ان کو یہ احساس ہوتا کہ ان کا یہ عمل کافرانہ ہے اور سخت عذاب کا موجب۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ۔ (سورہ نساء: ۹۳)

’’اور جس شخص نے کسی مؤمن کو قصداً قتل کیا تو اس کی سزا جہنم ہے۔ جہاں وہ ہمیشہ رہے گا، اس پر اللہ کا غضب ہوا اور اس کی لعنت ہوئی اور ایسے شخص کے لئے اس نے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے‘‘۔

بلاوجہ کی خون ریزی

حدیث

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ : قَالَ النَّبِیُّ ﷺ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَدْرِی الْقَاتِلُ فِیْ اَیِّ شَیْءٍ قَتَلَ وَلَا يَدْرِی الْمَقْتُوْلُ عَلٰى اَیِّ شَیْءٍ قُتِلَ . (مسلم کتاب الفتن)

ترجمہ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ’’قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! لوگوں پر ایک زمانہ ضرور ایسا آئے گا کہ قاتل کو نہیں معلوم کہ اس نے کیوں قتل کیا اور مقتول کو بھی نہیں معلوم کہ وہ کس بنا پر قتل کیا گیا۔‘‘ (مسلم کتاب الفتن)

تشریح

اس پیشین گوئی کے آثار موجودہ زمانہ میں ظاہر ہوگئے ہیں۔ روز بروز خونریزی کی کثرت ہوتی جارہی ہے۔ قتل کرنے والے کسی سے سپاری (قتل کی اجرت) لے کر قتل کررہے ہیں۔ ان کو نہیں معلوم کہ اس شخص کا واقعی کوئی جرم تھا یا نہیں اور مقتول کو بھی نہیں معلوم کہ یہ کرایہ کے آدمی اسے کس جرم میں قتل کررہے ہیں۔ دہشت گردی میں بھی کتنے ہی انسانوں کی جانیں چلی جاتی ہیں جب کہ انہیں نہیں معلوم کہ ان کا قصور کیا ہے اور نہ دہشت گردی کرنے والے یہ بتاسکتے ہیں کہ ان کا جرم کیا ہے بلکہ وہ اپنے سیاسی مقاصد کو پورا کرنے کیلئے بے قصوروں کو نشانہ بناتے ہیں۔ اسی طرح ذاتی مفادات حاصل کرنے کے لئے مجرمین ہوائی جہاز کا اغواء کرکے بلاوجہ مسافروں کو بے دردی سے قتل کرتے ہیں اور اب تو ایسے ظالم لوگ اُبھر رہے ہیں جو بازاروں میں اندھا دھند فائرنگ کرکے بے قصوروں کو موت کے گھاٹ اُتار دیتے ہیں۔ کیسی سنگدلی ہے جو روز بروز بڑھتی جارہی ہے!

خودکشی کا انجام

حدیث

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: مَنْ تَرَدّٰی مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ نَفْسَهٗ فَهُوَ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ یَتَرَدّٰی فِیْهِ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِیْهَا اَبَدًا وَمَنْ تَحَسّٰی سَمّاً فَقَتَلَ نَفْسَهٗ فَسَمُّهٗ فِی یَدِهٖ یَتَحَسَّاهُ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِداً مُّخَلَّداً فِیْهَا اَبَداً، وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهٗ بِحَدِیْدَةٍ فَحَدِیْدَتُهٗ فِیْ یَدِهٖ یُجَأُبِهَا فِیْ بَطْنِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِداً مُّخَلَّداً فِیْهَا اَبَداً. (البخاری کتاب الطب)

ترجمہ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص نے اپنے کو پہاڑ پر سے گرایا اور اپنی جان لے لی تو وہ جہنم کی آگ میں اپنے کو گراتا رہے گا۔ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے وہ اسی حال میں رہے گا۔ اور جس نے زہر پی کر اپنے کو مارڈالا اس کا زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا اور وہ اسے جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ پیتا رہے گا اور جس نے اپنے کو لوہے کی کسی چیز سے مارڈالا تو لوہے کی وہ چیز اس کے ہاتھ میں ہوگی جسے وہ جہنم کی آگ میں اپنے پیٹ میں مارتا رہے گا اور ہمیشہ ہمیشہ اسی حال میں رہے گا۔ (البخاری کتاب الطب)

تشریح

جان اللہ کی امانت ہے لہٰذا اپنی جان کو تلف کرنا کسی حال میں بھی جائز نہیں۔ کسی تکلیف کو برداشت نہ کر کے آدمی اگر خودکشی کرتا ہے تو وہ قتل نفس کا مرتکب ہوتا ہے۔ جس کی سزا جہنم ہے اور پھر جہنم میں سزا کی نوعیت یہ ہوگی کہ جوطریقہ اس نے خودکشی کا اختیار کیا تھا اسی کو وہ جہنم میں دہراتا رہے گا اور یہ سزا اسے ہمیشہ کیلئے بھگتنا ہوگی۔

آج کل خودکشی کرنے والوں کی کثرت ہوگئی ہے۔ جن میں عورتیں بھی شامل ہیں۔ دنیا کی پریشانیوں سے

تنگ آ کر وہ خودکشی کر لیتے ہیں یہ بے صبری ہے اور امتحان گاہ سے بھاگنا ہے اور جو شخص بھی امتحان گاہ سے فرار ہوگا وہ ناکام ونامراد ہی رہے گا۔ اگر یہ لوگ خودکشی کے اخروی انجام کو سامنے رکھتے تو دنیا کی پریشانیوں کو برداشت کرنے کیلئے تیار ہوجاتے کیونکہ وہ بہت عارضی ہیں اور دنیا کی تکلیفیں آخرت کی تکلیفوں کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہیں۔

مؤمن جب معصیت کا مرتکب ہوتا ہے

حدیث

قَالَ اَبُوْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ لَا یَزْنِیْ حِیْنَ یَزْنِیْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَشْرَبُ الْخَمْرَ حِیْنَ یَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَسْرِقُ السَّارِقُ حِیْنَ یَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ. (البخاری کتاب الاشربۃ)

ترجمہ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: زنا کرنے والا اس وقت مؤمن نہیں ہوتا جب کہ زنا کرتا ہے۔ اور نہ شراب پینے والا اس وقت مؤمن ہوتا ہے جب کہ خمر (شراب) پیتا ہے اور نہ ہی چور اس وقت مؤمن ہوتا ہے جب کہ چوری کرتا ہے۔ (بخاری کتاب الاشربۃ)

تشریح

حدیث میں جس چیز کی نفی کی گئی ہے وہ ایمانی کیفیت ہے۔ زنا، شراب اور چوری جیسے گناہ بہت بڑے گناہ اور جرم ہیں جن کے ارتکاب سے ایمان روکتا ہے۔ پھر بھی اگر ایک مؤمن ایسی معصیت کا ارتکاب کرتا ہے تو خواہشات سے مغلوب ہوکر کرتا ہے۔ ایمان کی کیفیت اس وقت زائل ہوجاتی ہے لہٰذا ایک مؤمن کو چاہئے کہ ان گناہوں کے پاس نہ پھٹکے ورنہ اندیشہ ہے کہ فسق وفجور میں مبتلا ہوکر اپنے ایمان کو کھو نہ بیٹھے۔

آنکھوں کا زنا

حدیث

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ کُتِبَ عَلٰی ابْنِ آدَمَ نَصِیْبُهُ مِنَ الزِّنٰی. مُدْرِکُ ذٰلِکَ لَا مَحَالَةَ ، فَالْعَیْنَانِ زِنَاهُمَا النَّظَرُ ، وَالْاُذُنَانِ زِنَاهُمَا الْاِسْتِمَاعُ ، وَاللِّسَانِ زِنَاهُ الْکَلَامُ ، وَالْیَدُ زِنَاهَا الْبَطْشُ ، وَالرِّجْلُ زِنَاهَا الْخُطَا، وَالْقَلْبُ یَهْوٰی وَ یَتَمَنّٰی ، وَ یُصَدِّقُ ذٰلِکَ الْفَرْجُ وَیُکَذِّبُهُ. (مسلم کتاب القدر)

ترجمہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: آدمی پر اس کے حصہ کا زنا لکھ دیا گیا ہے جسے وہ لامحالہ پائے گا۔ آنکھوں کا زنا نظر ہے، کانوں کا زنا سننا ہے، زبان کا زنا بات کرنا ہے، ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے، پاؤں کا زنا چلنا ہے، دل خواہش اور تمنا کرتا ہے اور شرمگاہ ان باتوں کو سچا جھوٹا کر دیتی ہے۔ (مسلم کتاب القدر)

تشریح

آدمی اگر اپنی بیوی کے علاوہ کسی عورت کو جو اس کیلئے اجنبی ہے شہوت کی نگاہ سے دیکھتا ہے تو یہ آنکھوں کا زنا ہے، اسی طرح وہ اگر عورتوں کے شہوت انگیز گانے سنتا ہے تو یہ کانوں کا زنا ہے۔ عشق، محبت کی باتیں کرنا زبان کا زنا ہے، شہوت سے اجنبی عورت کا ہاتھ پکڑنا ہاتھ کا زنا ہے، کوچہ معشوق میں چل کر جانا پاؤں کا زنا ہے اور دل کا اجنبی عورتوں کے تعلق سے بُری خواہش اور تمنا کرنا اپنے باطن کو گناہ سے آلودہ کرنا ہے۔

گناہ کی ان سب صورتوں کو حدیث میں ایک قسم کے زنا سے تعبیر کیا گیا ہے جس پر لازماً گرفت ہوگی الا یہ کہ وہ توبہ کرے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے:

وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْکُمْ بِهِ اللّٰهُ . (بقرہ:۲۸۴)

"تم اپنے دل کی باتیں ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ ان کا حساب تم سے لے گا۔"

وَلَا تَقْرَبُوْا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ . (انعام : ۱۵۱)

"بے حیائی کی باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ وہ کھلی ہوں یا چھپی۔"

مذکورہ حدیث کے اخیر میں یہ جو فرمایا گیا کہ "شرمگاہ ان باتوں کو سچا یا جھوٹا کر دیتی ہے۔" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر شرمگاہ زنا کا ارتکاب کرتی ہے تو ان مقدمات زنا کی جو بیان کئے گئے تصدیق ہوتی ہے یعنی ان کے مطابق وہ مکمل طور سے زنا کا ثبوت دیتا ہے اور اگر شرمگاہ زنا کا ارتکاب نہیں کرتی تو مقدمات زنا کو وہ بے اثر کر دیتی ہے۔

موجودہ زمانہ میں تو زنا کی گرم بازاری ہے، شہوت انگیز گانے، عشقیہ افسانے، عورتوں کی عریاں تصویریں، حسن کے مقابلے، نیم برہنہ عورتوں کے مظاہرے اور رقص و سرور کے پروگرام زنا کی تحریک دلوں میں پیدا کر رہے ہیں اور خاص طور سے نوجوانوں کو بری طرح بے حیائی کی طرف ڈھکیل رہے ہیں۔ کاش وہ اس حدیث سے عبرت حاصل کرتے!

جھگڑالو شخص اللہ کو سخت ناپسند

حدیث

عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اِنَّ اَبْغَضَ الرِّجَالِ اِلَی اللّٰهِ الْاَلَدُّ الْخَصِمُ. (بخاری کتاب المظالم)

ترجمہ

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ کو وہ شخص سب سے زیادہ ناپسند ہے جو بہت جھگڑالو ہے۔ (بخاری کتاب المظالم)

تشریح

جھگڑالو شخص غیر سنجیدہ ہوتا ہے اور اس کی نظر اس بات پر نہیں ہوتی کہ سچی اور منصفانہ بات کیا ہے بلکہ جذبات سے مغلوب اور غصہ سے بے قابو ہو کر سخت سست کہنا شروع کرتا ہے اور پھر گالم گلوچ پر اتر آتا ہے اس لئے اللہ کے نزدیک یہ خصلت بہت بُری ہے۔ ایک مسلمان کو تو زیادہ سے زیادہ سنجیدہ ہونا چاہئے اور اذیت دہ باتیں کرنے سے احتراز کرنا چاہئے۔

خیانت کا انجام

حدیث

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَامَ فِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ یَوْمٍ فَذَکَرَ الْغُلُوْلَ فَعَظَّمَهٗ وَعَظَّمَ اَمْرَهٗ، ثُمَّ قَالَ لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ یَجِیْءُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ، عَلٰی رَقَبَتِهٖ بَعِیْرٌ لَهٗ رُغَاءٌ یَقُوْلُ: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اَغِثْنِیْ. فَاَقُوْلُ: لَا اَمْلِکُ لَکَ شَیْئًا قَدْ اَبْلَغْتُکَ. لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ یَجِیْءُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ،عَلٰی رَقَبَتِهٖ فَرَسٌ لَهٗ حَمْحَمَةٌ فَیَقُوْلُ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِیْ. فَاَقُوْلُ: لَا اَمْلِکُ شَیْئًا. قَدْ اَبْلَغْتُکَ. لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ یَجِیْءُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَلٰی رَقَبَتِهٖ شَاةٌ لَهَا ثُغَاءٌ یَقُوْلُ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِیْ. فَاَقُوْلُ: لَا اَمْلِکُ لَکَ شَیْئًا. قَدْ اَبْلَغْتُکَ. لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ یَجِیْءُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ، عَلٰی رَقَبَتِهٖ نَفْسٌ لَهَا صِیَاحٌ فَیَقُوْلُ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَغِثْنِیْ فَاَقُوْلُ: لَا اَمْلِکُ لَکَ شَیْئًا قَدْ اَبْلَغْتُکَ، لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ یَجِیْءُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَلٰی رَقَبَتِهٖ رِقَاعٌ تَخْفِقُ فَیَقُوْلُ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِیْ فَاَقُوْلُ: لَا اَمْلِکُ لَکَ شَیْئًا قَدْ اَبْلَغْتُکَ، لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ یَجِیْءُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ، عَلٰی رَقَبَتِهٖ صَامِتٌ فَیَقُوْلُ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِیْ فَاَقُوْلُ: لَا اَمْلِکُ لَکَ شَیْئًا قَدْ اَبْلَغْتُکَ. (مسلم کتاب الامارات)

ترجمہ

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہو گئے اور خیانت کا ذکر فرمایا اور اسے بہت بڑا گناہ بتلایا پھر فرمایا میں تم میں سے کسی کو قیامت کے دن اس حال میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر اونٹ ہو جو بڑبڑا رہا ہو اور وہ شخص کہہ رہا ہو کہ اے اللہ کے رسول میری مدد فرمایئے اور میں کہوں کہ میں تمہارے لئے کوئی اختیار نہیں رکھتا میں نے اللہ کا پیغام تمہیں پہنچا دیا تھا۔ قیامت کے دن میں تم میں سے کسی کو اس حال میں بھی نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر گھوڑا ہو جو ہنہنا تا ہو اور وہ شخص کہے کہ اے اللہ کے رسول میری مدد کیجئے اور میں اسے جواب دوں کہ میں تمہارے لئے کوئی اختیار نہیں رکھتا میں نے اللہ کا پیغام تمہیں پہنچا دیا تھا۔ قیامت کے دن میں تم میں سے کسی کو اس حال میں بھی نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر بکری ہو جو ممیں کرتی ہو اور وہ شخص کہے کہ اے اللہ کے رسول میری مدد کیجئے اور میں جواب دوں کہ میں تمہارے لئے کوئی اختیار نہیں رکھتا، میں نے اللہ کا پیغام تمہیں پہنچا دیا تھا۔ قیامت کے دن میں تم میں سے کسی کو اس حال میں بھی نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر (مقتول کی) جان ہو جو چیخ رہی ہو اور وہ شخص کہے کہ اے اللہ کے رسول میری مدد کیجئے اور میں جواب دوں کہ میں تمہارے لئے کوئی اختیار نہیں رکھتا، میں نے اللہ کا پیغام تمہیں پہنچا دیا تھا۔ قیامت کے دن میں تم میں سے کسی کو اس حال میں بھی نہ پاؤں کہ اس کی گردن میں کپڑوں کا ڈھیر ہو جو اڑ رہے ہوں اور وہ شخص کہے کہ اے اللہ کے رسول میری مدد کیجئے اور میں جواب دوں کہ میں تمہارے لئے کوئی اختیار نہیں رکھتا، میں نے اللہ کا پیغام تمہیں پہنچا دیا تھا۔ قیامت کے دن میں تم میں سے کسی کو اس حال میں بھی نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر سونے چاندی کا بوجھ ہو اور وہ کہے کہ اے اللہ کے رسول میری مدد کیجئے اور میں جواب

دوں کہ میں تمہارے لئے کوئی اختیار نہیں رکھتا، میں نے اللہ کا پیغام تمہیں پہنچا دیا تھا۔(مسلم کتاب الامارات)

تشریح

اس حدیث میں خیانت کا دردناک انجام بیان کیا گیا ہے۔خاص طور سے اس خیانت (غلول) کا جو اسلامی حکومت کے مال میں کی جائے۔ایک اور حدیث میں آپ نے ایسے ہی انجام سے ان اعمال کو بھی متنبہ فرمایا ہے جو اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں ہدیئے وصول کریں کہ یہ رشوت بھی ہے اور خیانت بھی۔خیانت خواہ اونٹ وغیرہ حیوان کی شکل میں ہو یا کپڑوں کی شکل یا سونا چاندی اور روپے پیسے کی شکل میں بہرصورت حرام ہے اور قیامت کے دن خیانت کا مال گردن پر لادا جائے گا۔اگر کوئی جانور ہے جس کی اس نے خیانت کی تھی تو وہ گردن پر سوار ہو کر چیخ رہا ہوگا اور اگر کسی کی جان ناحق لی تھی تو مقتول گردن پر سوار ہو کر چیخیں مار رہا ہوگا اور اگر سونا چاندی اور روپے پیسے کو غبن کیا تھا تو اس کا ڈھیر گردن کو دبوچ رہا ہوگا۔الامان والحفیظ کیسی دردناک سزا ہے جو قیامت کے دن خیانت کرنے والوں کو ملے گی۔

موجودہ زمانہ میں گھپلے بہ کثرت ہو رہے ہیں۔ پبلک پراپرٹی میں گھپلے، ٹرسٹ میں حتی کہ مسجدوں، مدرسوں، یتیم خانوں اور اشاعت دین کے ٹرسٹ میں جو اللہ کے لئے وقف ہوتے ہیں گھپلا کرنے اور خیانت کا ارتکاب کرنے سے لوگ نہیں چوکتے۔ایسے لوگ اگر اس حدیث کے آئینہ میں اپنا عکس دیکھ لیں تو وہ چونک جائیں۔

اس حدیث سے نبی ﷺ کی شفاعت کے غلط تصور کی بھی تردید ہوتی ہے۔عام طور سے مسلمان سمجھتے ہیں کہ ہم آپ کی امت میں سے ہیں لہٰذا ہمارے اعمال کیسے ہی ہوں ہم آپ کی شفاعت سے بخش دئے جائیں گے۔شفاعت کے اس غلط تصور نے انہیں گناہوں پر جری بنا دیا ہے اور وہ اپنی نجات کی طرف سے بے فکر ہو گئے ہیں۔جزائے عمل کے عقیدہ کو اسلام نے جس شد و مد کے ساتھ پیش کیا تھا اس کو شفاعت کے اس تصور نے معطل کر کے رکھ دیا ہے۔قرآن میں شفاعت کے بارے میں یہ اصولی بات واضح طور سے بیان

ہوئی ہے کہ شفاعت اللہ کی اجازت پر موقوف ہوگی۔وہ جس کو شفاعت کی اجازت دیگا اور جس کے حق میں دے گا اسی کے لئے وہ شفاعت کر سکے گا:

يَوْمَئِذٍ لَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ رَضِيَ لَهُ قَوْلًا ۔ (طٰہٰ:۱۰۹)

''اس روز شفاعت کام نہ دے گی مگر اس کی جس کو رحمٰن اجازت دے اور اس کی بات پسند فرمائے۔''

وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ .(سبا:۲۳)

''اس کے حضور کوئی شفاعت کام نہیں آ سکتی مگر جن کے لئے وہ اجازت دے۔''

لہٰذا نبی ﷺ کو بھی شفاعت کی اجازت جس وقت دی جائے گی اسی وقت آپ شفاعت کر سکیں گے اور جن کے حق میں دی جائے گی ان ہی کے حق میں آپ شفاعت کریں گے۔تو کیا جو مسلمان آپ کی شفاعت پر تکیہ کئے ہوئے ہیں وہ اس بات کے لئے آمادہ ہیں کہ وہ اپنے کرتوتوں کی سزا ایک مدت تک پاتے رہیں اور اس کے بعد آپ کی شفاعت سے بشرطیکہ اللہ ان کے حق میں اس کی اجازت دیدے نجات پائیں؟ جب آدمی ایک لمحہ کے لئے آگ میں جلنا برداشت نہیں کر سکتا تو ایک مدت تک آگ کا عذاب کس طرح برداشت کرے گا؟ اسی لئے قرآن نے ایمان کے ساتھ عملی زندگی کو صالح بنانے کی تاکید کی ہے اور شفاعت کو ایک استثنائی صورت کے طور پر پیش کیا ہے۔

کپڑے گھسیٹتے ہوئے چلنا

حدیث

عَنۡ سَالِمِ بۡنِ عَبۡدِ اللّٰہِ عَنۡ اَبِیۡهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ مَنۡ جَرَّ ثَوۡبَهٗ خُیَلَاءَ لَمۡ یَنۡظُرِ اللّٰهُ اِلَیۡهِ یَوۡمَ الۡقِیَامَةِ قَالَ اَبُوۡبَکۡرٍ یَارَسُوۡلَ اللّٰهِ اِنَّ اَحَدَ شِقَّیۡ اِزَارِیۡ یَسۡتَرۡخِیۡ اِلَّا اَنۡ اَتَعَاهَدَ ذٰلِکَ مِنۡهُ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ : لَسۡتَ مِمَّنۡ یَصۡنَعُهٗ خُیَلَاءَ . (البخاری کتاب اللباس)

ترجمہ

سالم بن عبداللہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جوشخص اپنے کپڑے تکبر سے گھسیٹتے ہوئے چلے گا قیامت کے دن اللہ اس کی طرف نہیں دیکھے گا۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول: میرے تہبند کا ایک سرا ڈھیلا پڑ جاتا ہے الا یہ کہ میں اس کا خاص خیال رکھوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: تم ان میں سے نہیں ہو جو تکبر سے ایسا کرتے ہیں۔ (البخاری کتاب اللباس)

تشریح

کپڑے گھسیٹتے ہوئے چلنا اللہ کو سخت ناپسند ہے اور اس کی علت تکبر ہے جیسا کہ حدیث میں بیان ہوا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایسے شخص کی طرف نظر عنایت نہیں فرمائے گا۔ یہ سخت سزا اس شخص کے لئے ہے جو اپنے کپڑے، چادر، عبا، پاجامہ، پتلون وغیرہ دانستہ طور پر اتنے طویل رکھتا ہو کہ زمین جھاڑتا ہوا چلے تاکہ اپنی متکبرانہ شان کا اظہار ہو چنانچہ مغرور بادشاہوں کا طریقہ یہی رہا ہے کہ وہ اپنے لباس کو زمین تک ڈھیلا چھوڑ دیتے ہیں یہاں تک کہ ان کے خادم ان کی خلعت کو پیچھے سے اٹھائے ہوئے ہوتے ہیں۔ نبی ﷺ نے متکبر لوگوں کے طور طریقے اختیار کرنے سے بچنے کی ہدایت کی ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے اپنا جو اشکال پیش کیا اور اس کا جو جواب نبی ﷺ نے دیا اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر تکبر سے تہبند، پاجامہ، پتلون وغیرہ کو نیچے لٹکایا نہیں جاتا بلکہ پیٹ کے بڑا ہونے یا کسی اور سبب سے لباس ڈھیلا پڑ جاتا ہے اور نیچے تک اتر آتا ہے تو اس کیلئے یہ وعید نہیں ہے۔ یہ وعید تکبر سے ایسا کرنے والوں ہی کیلئے ہے۔

کپڑے ٹخنوں سے نیچے لٹکانا

حدیث

عَنۡ اَبِیۡ هُرَیۡرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ : مَا اَسۡفَلَ مِنَ الۡکَعۡبَیۡنِ مِنَ الۡاِزَارِ فَفِی النَّارِ . (بخاری کتاب اللباس)

ترجمہ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو تہبند ٹخنوں سے نیچے ہو وہ جہنم میں ہوگا۔ (بخاری کتاب اللباس)

تشریح

شریعت نے لباس کی حد ٹخنوں تک مقرر کر دی ہے یعنی تہبند، پاجامہ پتلون وغیرہ ٹخنوں سے نیچے نہ ہو کہ لباس کا ٹخنوں سے نیچے ہونا اور زمین جھاڑتے ہوئے چلنا متکبروں کا طریقہ ہے۔ اور جو شخص تکبر سے ایسا کرتا ہے اس کے لئے جہنم کی سزا ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں واضح کیا گیا ہے۔

آجکل پتلون ٹخنوں سے نیچے لٹکانا فیشن ہوگیا ہے لیکن فیشن پر شریعت مقدم ہے لہٰذا حدود شرع کا لحاظ کرتے ہوئے مروجہ فیشن کی اصلاح کرنا چاہئے۔ واضح رہے کہ عورتوں کے لئے ٹخنوں تک کی قید نہیں ہے۔ وہ اپنے لباس کو اتنا لمبا رکھ سکتی ہیں کہ قدموں کا ظاہری حصہ چھپ جائے۔ اس سے زیادہ لمبے کپڑے پہننے اور زمین جھاڑتے ہوئے چلنے کی انہیں بھی اجازت نہیں ہے۔

خود پسندی کا انجام

حدیث

حَدَّثُنَا مُحَمَّدُ بُنُ زِیَادٍ قَالَ سَمِعۡتُ اَبَا هُرَیۡرَةَ یَقُوۡلُ: قَالَ النَّبِیُّ اَوۡ قَالَ اَبُوالۡقَاسِمِ ﷺ بَیۡنَمَا رَجُلٌ یَّمۡشِیۡ فِیۡ حُلَّةٍ تُعۡجِبُهٗ نَفۡسُهٗ مُرَجَّلٌ جُمَّتَهٗ اِذۡ خَسَفَ اللّٰهُ بِهٖ فَهُوَ یَتَجَلۡجَلُ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیَامَةِ. (البخاری کتاب اللباس)

ترجمہ

محمد بن زیاد کہتے ہیں میں نے ابو ہریرہؓ کو کہتے ہوئے سنا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ایک شخص لباس کا جوڑا پہنے ہوئے لمبے لمبے بالوں میں کنگھی کئے ہوئے خود پسندی کے ساتھ چل رہا تھا کہ اللہ نے اسے دھنسا دیا تو وہ قیامت کے دن تک دھنستا ہی رہے گا۔ (بخاری کتاب اللباس)

تشریح

یہ خود پسندی کی سزا ہے جو اس شخص کو ملی گئی۔ خود پسندی یہ ہے کہ آدمی اپنے کو کچھ سمجھنے، غرور اور گھمنڈ سے اس کا سر اونچا ہو اور اپنی خوبصورتی اور اپنے لباس وغیرہ پر فخر کرنے لگے۔ حدیث میں اس شخص کا جو خود پسندی میں مبتلا تھا کتنا دردناک انجام بیان کیا گیا ہے۔ یہ اس لئے تا کہ لوگ عبرت حاصل کریں۔

انسان کو چاہئے کہ اپنے ظاہر سے زیادہ اپنے باطن پر نگاہ ڈالے کہ انسان کی اصل خوبی یہ نہیں کہ اس کا ظاہر اور اس کا ٹیپ ٹاپ اچھا ہے بلکہ اس کی اصل خوبی یہ ہے کہ اس کا باطن اچھا ہے اور اس نے اپنے اندر اچھے اوصاف پیدا کر لئے ہیں۔ ایسے شخص میں خاکساری اور تواضع کی صفت ہوتی ہے۔

اپنے لباس وغیرہ میں جمال پیدا کرنے سے شریعت نہیں روکتی بلکہ جس چیز سے شریعت روکتی ہے وہ خود پسندی ہے۔

مال کا غلام

حدیث

عَنۡ اَبِیۡ هُرَیۡرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ ﷺ : تَعِسَ عَبۡدُ الدِّیۡنَارِ وَالدِّرۡهَمِ وَالۡقَطِیۡفَةِ وَالۡخَمِیۡصَةِ اِنۡ اُعۡطِیَ رَضِیَ وَ اِنۡ لَمۡ یُعۡطَ لَمۡ یَرۡضَ. (البخاری کتاب الرقاق)

ترجمہ

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: دینار و درہم اور مخملی چادر اور جبہ کا بندہ ہلاک ہوا ہے اسے عطا ہوا تو راضی ہوا اور اگر عطا نہیں ہوا تو راضی نہ ہوا۔

(بخاری کتاب الرقاق)

تشریح

مذکورہ حدیث میں مال کا غلام بننے کی مذمت کی گئی ہے۔ اللہ کا مخلص بندہ تو اللہ سے ہر حال میں خوش رہتا ہے خواہ اسے مال کی فراوانی حاصل ہو یا نہ ہو، اس کی معیشت تنگ ہو یا کشادہ کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ دونوں صورتوں میں آزمائش ہے اور کامیابی تو آخرت کی کامیابی ہے لیکن جو شخص مال ومتاع کا حریص اور اس کا غلام ہو اور عمدہ لباس کا شوقین ہو اسے اگر مال فراوانی کے ساتھ حاصل ہو جائے تو وہ اللہ سے راضی ہوتا ہے اور اگر تنگی میں مبتلا کیا گیا تو اللہ سے ناراض ہو جاتا ہے۔ ایسے شخص کا انجام ہلاکت ہے کیونکہ وہ اللہ کا بندہ بن کر رہنے میں مخلص نہیں ہے۔

بدترین معاشرہ

حدیث

عَنْ مِرْدَاسِ الْاَسْلَمِیِّ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ یَذْهَبُ الصَّالِحُوْنَ الْاَوَّلُ فَالْاَوَّلُ وَیَبْقٰی حُفَالَةٌ کَحُفَالَةِ الشَّعِیْرِ اَوِالتَّمْرِ لَایُبَالِیْهِمُ اللّٰهُ بَالَةً. (البخاری کتاب الرقاق)

ترجمہ

حضرت مرداس اسلمی کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا صالحین یکے بعد دیگرے رخصت ہوں گے اور وہ لوگ باقی رہیں گے جو جَو یا کھجور کے ردی حصہ کی مانند ہوں گے۔ اللہ کو ان کی کوئی پرواہ نہ ہوگی۔ (بخاری کتاب الرقاق)

تشریح

اس وقت یہی صورتحال رونما ہے۔ صالحین کی تعداد کم ہوتی جارہی ہے اور بے کردار اور بدقماش لوگوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے کیونکہ سونا دنیا میں کمیاب ہوتا ہے لیکن مٹی بہ کثرت، ہیروں کا وجود نادر ہے لیکن کوئلے کی بہتات ہے وعلی ھذا القیاس قیمتی چیزیں کم ہی پائی جاتی ہیں۔ صالحین بھی ہر معاشرہ میں محدود تعداد ہی میں ہوتے ہیں لیکن جس بدترین زمانے کی طرف حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے اس میں صالحین کا وجود تقریباً ناپید ہوگا اور معاشرہ ایسے لوگوں سے بھر جائے گا جو بدکردار ہوں گے اور کسی قدر و قیمت کے مستحق نہیں ہوں گے اسی طرح جس طرح جَو یا کھجور کا ردی حصہ بیکار ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کی اللہ کو کوئی پرواہ نہیں ہوگی وہ تباہی کے جس گڑھے میں گرنا چاہیں گریں۔ دنیا کی موجودہ سوسائٹی کی جو تصویر سامنے آرہی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دنیا تیزی کے ساتھ اسی طرف جارہی ہے۔

بد سے بدتر زمانہ

حدیث

عَنِ الزُّبَیْرِ بْنِ عَدِیٍّ قَالَ اَتَیْنَا اَنَسَ بْنَ مَالِکٍ فَشَکَوْنَا اِلَیْهِ مَا نَلْقٰی مِنَ الْحَجَّاجِ فَقَالَ : اصْبِرُوْا فَاِنَّهٗ لَا یَاْتِیْ عَلَیْکُمْ زَمَانٌ اِلَّا الَّذِیْ بَعْدَهٗ شَرٌّ مِّنْهُ حَتّٰی تَلْقَوْا رَبَّکُمْ سَمِعْتُهٗ مِنْ نَبِیِّکُمْ ﷺ. (البخاری کتاب الفتن)

ترجمہ

زبیر ابن عدی کہتے ہیں کہ ہم انس بن مالک کے پاس آئے اور حجاج سے جو تکالیف ہم کو پہنچ رہی تھیں اس کی ان سے شکایت کی۔ انہوں نے کہا صبر کرو کیونکہ تم پر جو زمانہ بھی گزرے گا اس کے بعد والا اس سے بدتر ہوگا۔ یہاں تک کہ تم اپنے رب سے جاملو۔ میں نے یہ بات تمہارے نبی ﷺ سے سُنی ہے۔

تشریح

اموی دور میں حجاج بن یوسف کا ظلم مشہور ہے اس کی شکایت جب نبی ﷺ کے صحابی حضرت انس سے کی گئی تو انہوں نے صبر کی تلقین کرتے ہوئے کہا آئندہ اس سے بدتر زمانہ آئے گا یعنی اس سے زیادہ مظالم ہوں گے اور شر کی کثرت ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ یہ بات میں نے نبی ﷺ سے سنی ہے یعنی آئندہ حالات کے بارے میں آپ نے پیشگی خبردار کیا تھا۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں کی حکومتیں تبدیل ہوتی رہیں لیکن اکثر حکمرانوں کی طرف سے ظلم و جور کی زیادتی رہی یہاں تک کہ چنگیزی دور آیا۔ یعنی استثنائی صورتیں ضرور ہیں مثلاً عمر بن عبدالعزیز کی حکومت کہ وہ عدل و انصاف کی حکومت تھی۔

موجودہ دور میں مسلم ممالک میں ظلم و جور کی کمی نہیں ہے مگر اس سے اسلام پر کوئی حرف نہیں آتا اسلئے کہ اسلام نے عدل اجتماعی اور منصفانہ حکومت کے جو احکام دئے ہیں ان کی یہ خلاف ورزی ہے۔ ماضی میں بادشاہوں نے بھی جو ظلم ڈھائے ان کی ذمہ داری اسلام پر نہیں بلکہ خود ان کی ذات پر اور ان لوگوں پر عائد

ہوتی ہے جوان ظالموں کے پشت پناہ بنے رہے۔ یہ بات بھی تسلیم کرنا پڑے گی کہ اسلام نے جس شورائی نظام حکومت کی داغ بیل ڈالی تھی بعد کے خودغرض خلفاء، بادشاہ اور حکمرانوں نے اس کی بساط الٹ کر رکھ دی حالانکہ حقیقی جمہوریت کا تصور اس شورائی نظام میں موجود تھا۔

زمانہ کو بُرا بھلا کہنا

حدیث

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی یُؤْذِیْنِیْ اِبْنُ اٰدَمَ یَسُبُّ الدَّهْرَ وَاَنَا الدَّهْرُ بِیَدِی الْاَمْرُ اُقَلِّبُ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ ۔ (البخاری کتاب التوحید)

ترجمہ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ابن آدم مجھے اذیت پہنچاتا ہے وہ دہر (زمانہ) کو بُرا بھلا کہتا ہے حالانکہ دہر (زمانہ) میں ہوں میرے ہاتھ میں معاملہ ہے، میں رات اور دن کا الٹ پھیر کرتا ہوں۔ (بخاری کتاب التوحید)

تشریح

لوگوں کا حال عجیب ہے جب وہ کسی مصیبت کا شکار ہو جاتے ہیں تو زمانہ کو بُرا بھلا کہنے لگتے ہیں کہ یہ اسی کا چکر ہے اور اسی کی لائی ہوئی نحوست ہے۔ زمانہ کی بے وفائی بھی ایک عام محاورہ بن گئی ہے حالانکہ زمانہ کو اللہ نے وجود بخشا ہے اور وہ بالکل بے اختیار ہے، کسی کو نفع و نقصان پہنچانا زمانہ اور وقت کا کام نہیں بلکہ یہ سب کچھ اللہ کے حکم سے ہوتا ہے لہٰذا زمانہ کو بُرا بھلا کہنے کا مطلب اللہ کو بُرا بھلا کہنا ہے کہ حقیقتاً مصیبتوں کا فاعل اللہ ہی ہے اور اللہ کو بُرا بھلا کہہ کر آدمی اس کو اذیت پہنچاتا ہے۔ اللہ کو اذیت پہنچانے کا مطلب اس کی ناراضگی مول لینا ہے ورنہ انسان اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

لوگ ہوا کو بھی بُرا بھلا کہنے لگتے ہیں حالانکہ اچھی اور بُری ہوائیں اللہ ہی کے حکم سے چلتی ہیں اس لئے ہواؤں کو بُرا بھلا کہنا بے سود ہے اور یہ اللہ ہی کو بُرا بھلا کہنے کے مترادف ہے جو توحید کے سراسر منافی ہے۔

لغو اشعار سے پرہیز

حدیث

عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ لَاَنْ یَمْتَلِیَٔ جَوْفُ اَحَدِکُمْ قَیْحاً خَیْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ یَمْتَلِیَٔ شِعْرًا ۔ (البخاری کتاب الادب)

ترجمہ

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کسی کا پیٹ قے سے بھر جائے بہتر ہے اس سے کہ شعر سے بھر جائے۔ (بخاری کتاب الادب)

تشریح

اشعار سے مراد لغو بے ہودہ، بے حیائی پھیلانے والے، شہوانی خیالات پیدا کرنے والے، عورتوں کے حسن پر فریفتہ کرنے اور ان کے عشق میں مبتلا کرنے والے نیز کفر، شرک اور بدعات سے ملوث کرنے والے اشعار ہیں۔ ایسے اشعار کو یاد کرنے کی قباحت حدیث میں اس طرح بیان کی گئی ہے کہ یہ چیز اپنے پیٹ کو قے سے بھرنے سے بھی زیادہ بدتر ہے، اس لئے ایسے اشعار سے لازماً پرہیز کیا جانا چاہیئے۔ ارشاد رسول کا منشا یہ ہے کہ ایسے اشعار نہ صرف یہ کہ زبان زد نہیں ہونے چاہئیں بلکہ ایسی شاعری سے کوئی دلچسپی نہیں لی جانی چاہئے اور دل میں اس سے نفرت ہونی چاہئے۔

بسیارخوری

حدیث

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اَلْکَافِرُ یَأْکُلُ فِیْ سَبْعَةِ اَمْعَاءٍ وَالْمُؤْمِنُ یَأْکُلُ فِیْ مِعًی وَاحِدٍ . (مسلم کتاب الاشربۃ)

ترجمہ

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے اور مؤمن ایک آنت میں۔ (مسلم کتاب الاشربۃ)

تشریح

اس تمثیل سے مقصود یہ ذہن نشین کرانا ہے کہ ایک مؤمن کے کھانے میں بھی اعتدال ہوتا ہے اور وہ حریص بن کر کھانے پر ٹوٹ نہیں پڑتا مگر ایک کافر اللہ کا شکر گزار نہیں ہوتا اس لئے کھانے کا حریص ہوتا ہے۔

ہر شخص کی خوراک یکساں نہیں ہوتی بلکہ اپنی طبعی حالت کے مطابق کم وبیش ہوتی ہے لیکن بسیار خوری اچھی صفت نہیں ہے اور طبّی لحاظ سے بھی مضر ہے۔ قرآن کریم میں حکم دیا گیا ہے کہ:

وکلوا واشربوا ولا تسرفوا۔ (اعراف۔٣١)

’’کھاؤ اور پیو اور اسراف نہ کرو۔‘‘ (یعنی کھانے پینے میں زیادتی نہ کرو۔)

پانی میں پھونکنا منع ہے

حدیث

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ : اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ نَهٰی اَنْ یُّتَنَفَّسَ فِی الْاِنَاءِ اَوْ یُنْفَخَ فِیْهِ .... هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ . (الترمذی ابواب الشراب)

ترجمہ

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے برتن میں سانس لینے یا اس میں پھونکنے سے منع فرمایا ہے۔.......... یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (ترمذی ابواب الشراب)

تشریح

پینے یا کھانے کے برتن میں سانس لینے یا پھونکنے سے منہ کی گندی ہوا اس میں شامل ہو جاتی ہے جو نظافت کے خلاف ہے اس لئے کھانے اور پینے کے آداب میں سے یہ ہے کہ برتن میں سانس نہ لیا جائے اور نہ پھونکا جائے۔

اس ارشاد رسول سے پانی پر دم کرنے کے طریقہ کی بھی تردید ہوتی ہے۔ جب پانی میں پھونکنا منع ہے تو بیماری کو دور کرنے کے لئے مخصوص کلمات (رقیہ) پڑھکر پانی پر دم کرنا کس طرح جائز ہوگا؟ دم کرنے کا یہ طریقہ جو مسلمانوں میں رائج ہے تعویذ گنڈوں پر یقین رکھنے والوں ہی کی ایجاد ہے۔ نبی ﷺ کے زمانے میں یہ طریقہ رائج نہیں تھا اور نہ آپ کے اصحاب پانی کے برتن لے لے کر دم کرانے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور مریضوں کی شفایابی کے لئے یہ سلسلہ چلتا رہتا۔

قیامت کے دن پیش آنے والا معاملہ

ہر شخص سے اللہ کلام فرمائے گا

حدیث

عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْكُمْ اِلَّا سَيُكَلِّمُهُ رَبُّهُ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ تَرْجُمَانٌ فَيَنْظُرُ اَيْمَنَ مِنْهُ وَلَا يَرٰى اِلَّا مَا قَدَّمَ مِنْ عَمَلِهِ وَيَنْظُرُ اَشْاَمَ مِنْهُ فَلَا يَرٰى اِلَّا مَا قَدَّمَ وَ يَنْظُرُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَلَا يَرٰى اِلَّا النَّارَ تِلْقَآءَ وَجْهِهِ فَاتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ. (البخاری کتاب التوحید)

ترجمہ

حضرت عدی بن حاتم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں ایسا کوئی نہیں جس سے اس کا رب بات نہیں کرے گا۔ دونوں کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا۔ وہ شخص اپنی دائیں جانب دیکھے گا تو اسے کچھ دکھائی نہ دے گا سوائے اس عمل کے جو اس نے آگے بھیجا تھا۔ وہ اپنی بائیں طرف دیکھے گا تو اسے وہی دکھائی دے گا جو اس نے آگے بھیجا تھا۔ وہ اپنے سامنے دیکھے گا تو اسے آگ کے سوا کچھ دکھائی نہیں دے گا۔ لہٰذا آگ سے بچو اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا صدقہ کر کے ہی کیوں نہ بچنے کا سامان کر سکو۔

دوسری روایت میں ولو بکلمۃ طیبۃ کے الفاظ بھی ہیں یعنی اگرچہ اچھا بول بول کر ہی آگ سے اپنا بچاؤ کر سکو۔ (بخاری کتاب التوحید)

تشریح

یہ حدیث آگاہ کرتی ہے کہ ہر شخص کی اللہ کے حضور پیشی ہوگی اور وہ اس سے براہ راست کلام کرے گا۔ یہ مرحلہ بڑا کٹھن ہوگا اور اس وقت اس شخص پر جو خشیت طاری ہوگی اس کا تصور ہی رونگٹے کھڑے کر دینے

والا ہے اس وقت اسے اپنے دائیں بائیں جانب اپنے اعمال دکھائی دیں گے اور یہ اعمال ہی ہیں جو دنیا سے منتقل ہو کر آنے والی زندگی میں اس کے سامنے منتقل ہونے والے ہیں۔ سامنے جہنم ہوگی جس سے نجات دلانے والی چیز اعمال صالحہ ہی ہوں گے لہٰذا ہر شخص کو اس بات کی کوشش کرنا چاہئے کہ وہ زیادہ سے زیادہ نیک اعمال کرے اور کسی ادنیٰ نیک کام کو بھی حقیر نہ سمجھے۔ اسی سلسلہ میں حدیث میں صدقہ کی ترغیب دی گئی ہے کہ صدقہ کرنا ایک ایسی نیکی ہے جو جہنم سے نجات کا ذریعہ ہے لہٰذا اگر استطاعت نہ ہو اور معمولی چیز ہی آدمی صدقہ کر سکتا ہو تو اس سے دریغ نہ کرے۔ کھجور کا ایک ٹکڑا بھی اس شخص کیلئے جو فقر و فاقہ میں مبتلا ہو پیٹ کیلئے سہارا بن سکتا ہے اور یہ صدقہ بھی نجات کیلئے کام آ سکتا ہے۔ بہرصورت ہر شخص کو اس بات کی فکر ہونی چاہئے کہ وہ اللہ کے حضور پیشی کے دن کیا جوابدہی کرے گا اور جہنم کی آگ سے بچنے کیلئے وہ کیا سامان کر رہا ہے؟

اللہ کے حضور پیشی کا مرحلہ

حدیث

عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ نُوقِشَ الْحِسَابَ عُذِّبَ قَالَتْ قُلْتُ اَلَيْسَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَاباً يَّسِيْرًا قَالَ ذٰلِكَ الْعَرْضُ. (بخاری کتاب الرقاق)

ترجمہ

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس کے حساب میں کرید کی گئی اسے عذاب دیا گیا۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا (انشقاق:۸) ''اس سے آسان حساب لیا جائے گا۔'' آپ نے فرمایا اس سے مراد پیشی ہے۔ (بخاری کتاب الرقاق)

تشریح

پیشی تو اللہ کے حضور فرداً فرداً ہر شخص کی ہوگی اور اسے اپنے اعمال کی جوابدہی کرنا ہوگی لیکن جیسا کہ سورۃ انشقاق کی آیت ۸ سے واضح ہے جن کو ان کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا (یعنی صالحین و متقین) ان سے آسان حساب لیا جائے گا اور مذکورہ حدیث صراحت کرتی ہے کہ آسان حساب سے مراد حساب کے لئے پیشی ہے۔ لیکن جس کے حساب میں کرید کی گئی یعنی تفصیل سے پوچھ گچھ کی گئی وہ وہی شخص ہوگا جو عذاب کا مستحق ہوگا۔

اپنی عملی زندگی کا حساب پیش کرنا بڑے کٹھن مرحلہ سے گزرنا ہے یہ مرحلہ آسان ہو سکتا ہے بشرطیکہ تقویٰ کی زندگی گزاری جائے۔

عورتوں کا اپنے شوہر اور اپنے ساتھی کی ناشکری کرنا

حدیث

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ اُرِيْتُ النَّارَ فَاِذَا اَكْثَرُ اَهْلِهَا النِّسَآءُ يَكْفُرْنَ قِيْلَ اَيَكْفُرْنَ بِاللّٰهِ قَالَ يَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ وَيَكْفُرْنَ الْاِحْسَانَ لَوْ اَحْسَنْتَ اِلٰی اِحْدٰهُنَّ الدَّهْرَ ثُمَّ رَاَتْ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ مَا رَاَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ. (البخاری کتاب الایمان)

ترجمہ

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مجھے جہنم دکھائی گئی تو اس میں زیادہ تر عورتیں تھیں جو ناشکری کرتی ہیں۔ صحابہ نے پوچھا کیا ایسی عورتیں تھیں جو اللہ کی ناشکری کرتی ہیں؟ فرمایا اپنے ساتھی کی ناشکری کرتی ہیں اور احسان نہیں مانتیں۔ اگر تم ان

میں سے کسی کے ساتھ ہمیشہ نیک سلوک کرو لیکن اگر وہ تم میں کوئی ناگوار بات دیکھے تو کہے گی میں نے تم سے کبھی کوئی بھلائی نہیں پائی۔ (بخاری کتاب الایمان)

تشریح

حدیث میں لفظ عشیر استعمال ہوا ہے جو شوہر کے لئے بھی بولا جاتا ہے اور اپنے ساتھی کے لئے بھی خاص طور سے وہ جو عورت کی کفالت کرتا ہے۔ عورتوں میں بالعموم تنگ نظری ہوتی ہے اور وہ بات بات پر شکایت کرنے کی عادی ہوتی ہیں یہاں تک کہ بعض عورتیں اپنا مزاج ہی شاکیانا بنالیتی ہیں اور جب اپنے شوہر یا ساتھی سے کوئی شکایت پیدا ہوجاتی ہے خواہ وہ کتنی ہی معمولی بات پر کیوں نہ ہوتو وہ نہایت تلخ اور اذیت دہ باتیں سنانے لگتی ہیں اگر چہ اس کے شوہر یا ساتھی کا سلوک اسکے ساتھ کتنا ہی اچھا رہا ہومگر وہ اس کی ناقدری اور ناشکری کرتے ہوئے یہ کہنے میں دریغ نہیں کرتی کہ میں نے تم میں کبھی کوئی بھلائی نہیں دیکھی یا تم میرے ساتھ ہمیشہ برا سلوک ہی کرتے رہے ہو۔ عورت کے ساتھ نیک سلوک کرنے والے شوہر یا ساتھی کو جب وہ یہ قلبی اذیت دیتی ہے تو اس کا گناہ بھی بہت بڑا ہے اور مستقلاً ایسا رویہ اختیار کرنے کے نتیجہ میں عورت اللہ کے غضب کا نشانہ بن جاتی ہے اور جہنم کے عذاب کی مستحق ہوجاتی ہے۔ یہ حدیث عورتوں کے لئے انتباہ ہے کہ وہ اپنے شوہر اور اپنے ساتھی کے حسن سلوک کی قدر داں بنیں، ان کی چھوٹی موٹی غلطیوں کو نظر انداز کریں اور وسعت اخلاق کا ثبوت دیں۔

شہرت چاہنے والوں کے ساتھ معاملہ

حدیث

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهٖ . وَمَنْ رَاءَ ى رَاءَ ى اللّٰهُ بِهٖ .

(مسلم کتاب الزھد)

ترجمہ

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے شہرت کے لئے کوئی عمل کیا اللہ اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرے گا اور جو دکھاوے کے لئے کوئی عمل کرے گا تو اللہ اس کے ساتھ بھی دکھاوے کا معاملہ کرے گا۔ (مسلم کتاب الزھد)

تشریح

نام ونمود اور دکھاوا بڑے سے بڑے نیک عمل کو ضائع کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسی عمل کو قبول فرماتا ہے جو خالصۃً اس کی رضا جوئی کے لئے کیا گیا ہو۔ جس شخص نے شہرت کے لئے کوئی عمل کیا تھا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرے گا یعنی لوگوں کے سامنے اس کو رسوا کرے گا اور جس نے دکھاوے کے لئے کوئی عمل کیا تھا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو اس کی جزا سے محروم رکھے گا۔

آج ایسے مسلمانوں کی کمی نہیں جو رفاہ عامہ کے بڑے بڑے کام شہرت اور دکھاوے کیلئے کرتے ہیں اور اُخروی اجر سے محروم رہنے کی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ پھر وہ آخرت میں اجر کے کس طرح مستحق ہوسکتے ہیں! وہ تو سزا کے مستحق ہوں گے۔

جس پر زیادتی کی گئی ہے
اس کو بدلہ میں نیکیاں دینا ہوں گی

حدیث

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : مَنْ کَانَتْ عِنْدَهٗ مَظْلِمَةٌ لِاَخِیْهِ فَلْیَتَحَلَّلْهُ مِنْهَا فَاِنَّهٗ لَیْسَ ثُمَّ دِیْنَارٌ وَّلَا دِرْهَمٌ مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّؤْخَذَ لِاَخِیْهِ مِنْ حَسَنَاتِهٖ فَاِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّهٗ حَسَنَاتٌ اُخِذَ مِنْ سَیِّئَاتِ اَخِیْهِ فَطُرِحَتْ عَلَیْهِ .

(البخاری کتاب الرقاق)

ترجمہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اپنے بھائی کے ساتھ ظلم کا کوئی معاملہ کیا ہو تو اسے چاہئے کہ اس بوجھ کو اپنے پر سے اُتار دے کیونکہ وہاں (آخرت میں) نہ دینار ہوں گے اور نہ درہم ۔ یہ کام اسے اس دن کے آنے سے پہلے کر دینا چاہئے جب کہ بدلہ میں اس کی نیکیاں اس کے بھائی کے لئے لی جائیں گی ۔ اگر نیکیاں نہیں ہوں گی تو اس کے بھائی کی برائیاں لے کر اس پر ڈال دی جائیں گی۔

(البخاری کتاب الرقاق)

تشریح

برائی کا بدلہ برائی ہی ہے جس کی شکل کیا ہوگی قیامت کے دن سامنے آئے گی۔اس حدیث میں مسلمانوں کے باہمی معاملات میں ظلم و زیادتی کے بدلہ کا ذکر ہوا ہے کفار اس موقع پر زیر بحث نہیں ہیں۔اگر کسی مسلمان نے کسی مسلمان کے ساتھ زیادتی کی ہے تو قیامت کے دن اس کے بدلہ میں اسے اسی کے بقدر نیکیاں دینا ہوں گی اور اگر نیکیاں دینے کے لئے نہیں ہیں تو جس کے ساتھ زیادتی کی گئی ہے اس کی برائیوں میں سے اس زیادتی کے بقدر برائیاں لے کر اس زیادتی کرنے والے پر ڈال دی جائیں گی یعنی جس پر زیادتی کی گئی ہے اس کی برائیاں بدلہ کے بقدر ساقط کر دی جائیں گی اور جس نے زیادتی کی ہے اس کو ان برائیوں کے بقدر برا بدلہ ملے گا۔لہٰذا دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ اس دن کے آنے سے پہلے ظلم و زیادتی کو اپنے سر سے اُتار دے۔اگر ظلماً کسی کا مال ہڑپ کیا ہے تو اسے لوٹا دے اور اگر کسی اور قسم کی زیادتی کی ہے جس کی تلافی ممکن ہے تو اس کی تلافی کر لے۔

جنّت مؤمن کی منزلِ مقصود

جنّت بھی کس قدر قریب ہے اور جہنم بھی

حدیث

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ : اَلْجَنَّةُ اَقْرَبُ اِلٰی اَحَدِکُمْ مِنْ شِرَاکِ نَعْلِهٖ وَ النَّارُ مِثْلُ ذٰلِکَ. (البخاری کتاب الرقاق)

ترجمہ

عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسی بھی شخص کے لئے جنت اس کے جوتے کے تسمہ سے بھی زیادہ قریب ہے اور جہنم بھی اسی طرح ہے۔ (بخاری کتاب الرقاق)

تشریح

اپنے جوتے کے تسمہ کو کوئی شخص بھی دور خیال نہیں کرتا کیونکہ وہ پاؤں میں ہوتا ہے جو محسوس طور پر قریب ہونے والی چیز ہے۔ جنت اور جہنم کے قریب ہونے کو اس مثال سے واضح کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جنت اور جہنم کو دور نہ سمجھو کہ ان تک پہنچنے کے لئے بہت بڑا فاصلہ طے کرنا پڑے گا اور اس کے لئے کافی عرصہ درکار ہوگا۔ نہیں جہاں کسی کے حق میں جنت کا فیصلہ ہوا وہ آناً فاناً وہاں پہنچ جائے گا اور جس کے لئے جہنم کا فیصلہ ہوگا وہ بھی جہنم میں فوراً پہنچ جائے گا۔ اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھا جائے کہ قریب اور بعید کا جو تصور ہم اس دنیا میں رکھتے ہیں وہ آخرت میں نہیں ہوگا کیونکہ وہاں کے زماں اور مکاں اس دنیا سے بہت مختلف ہوں گے۔

صبر کا صلہ

حدیث

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ یَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی : مَا لِعَبْدِی الْمُؤْمِنِ عِنْدِی جَزَآءٌ اِذَا قَبَضْتُ صَفِیَّهٗ مِنْ اَهْلِ الدُّنْیَا ثُمَّ احْتَسَبَهٗ اِلَّا الْجَنَّةُ .

(البخاری کتاب الرقاق)

ترجمہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : میرے مؤمن بندے سے جب میں اس کی وہ جان جو دنیا والوں میں اسے سب سے زیادہ پیاری تھی قبض کر لیتا ہوں اور وہ اس پر مجھ سے اجر کا امیدوار ہوتا ہے تو میرے نزدیک اس کی جزا جنت ہے۔ (بخاری کتاب الرقاق)

تشریح

انسان کو جو چیز جتنی عزیز ہوتی ہے اس کے چھن جانے پر اتنا ہی غم ہوتا ہے۔ خاص طور سے اپنے پیارے بچہ کی جان قبض ہو جانے پر۔ اور یہ بہت بڑا امتحان ہوتا ہے جس میں اگر وہ صبر کرتا ہے اور اللہ سے اجر کا امیدوار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جزا میں اس کو جنت عطا فرمائے گا۔ یہ خوشخبری اس کے لئے سکون قلب کا سامان ہے۔

جنّت کے بالاخانوں کی بلندی کی ایک جھلک

حدیث

عَنْ سَهْلٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ : اِنَّ اَهْلَ الْجَنَّةِ لَیَتَرَآءُوْنَ الْغُرَفَ فِی الْجَنَّةِ کَمَا تَتَرَآءُوْنَ الْکَوَاکِبَ فِی السَّمَآءِ. (البخاری کتاب الرقاق)

ترجمہ

حضرت سہلؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اہل جنّت، جنّت کے بالاخانوں کو اسی طرح دیکھیں گے جس طرح تم آسمانوں میں ستاروں کو دیکھتے ہو۔ (بخاری کتاب الرقاق)

تشریح

اس حدیث میں جنت کے درجات کی بلندی کی ایک جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔ جنت کے زماں و مکاں دنیا کے زماں و مکاں سے بالکل مختلف ہوں گے اور ان کا کوئی تصور ہم اس دنیا میں نہیں کر سکتے۔ اہل جنت کو جو بالاخانے عطا کے جائیں گے وہ ان کے درجات کے لحاظ سے ہوں گے اور درجات اعمال صالحہ کی مناسبت سے ہوں گے۔ آسمان کے تاروں کو ہم جس طرح نہایت بلندی پر دیکھتے ہیں اسی طرح جنت کے بالاخانے بلندیوں پر دکھائی دیں گے۔ اس سے جنت کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے لیکن یہ وسعت اور یہ بلندی طویل فاصلہ طے کرنے میں مانع نہ ہوگی بلکہ برق رفتاری بلکہ اس سے بھی زیادہ تیزی سے یہ فاصلے طے کئے جاسکیں گے۔ آج خلائی پرواز نے بھی فاصلوں کو بہت کم کر دیا ہے۔

اللہ کا سب سے افضل انعام

حدیث

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ اِنَّ اللّٰہَ یَقُوْلُ لِاَھْلِ الْجَنَّۃِ یَا اَھْلَ الْجَنَّۃِ فَیَقُوْلُوْنَ لَبَّیْکَ رَبَّنَا وَسَعْدَیْکَ وَالْخَیْرُ فِیْ یَدَیْکَ فَیَقُوْلُ ھَلْ رَضِیْتُمْ فَیَقُوْلُوْنَ وَمَا لَنَا لَا نَرْضٰی یَا رَبِّ وَقَدْ اَعْطَیْتَنَامَالَمْ تُعْطِ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِکَ فَیَقُوْلُ اَلَا اُعْطِیْتُکُمْ اَفْضَلَ مِنْ ذٰلِکَ فَیَقُوْلُوْنَ یَا رَبِّ وَاَیُّ شَیْءٍ اَفْضَلُ مِنْ ذٰلِکَ فَیَقُوْلُ اُحِلُّ عَلَیْکُمْ رِضْوَانِیْ فَلَا اَسْخَطُ عَلَیْکُمْ بَعْدَہٗ اَبَداً.

(البخاری کتاب التوحید)

ترجمہ

حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ اہل جنت سے فرمائے گا: اے جنت والوں۔ وہ کہیں گے حاضر ہیں ہم اے ہمارے رب اور مستعد ہیں اور بھلائی تیرے ہی ہاتھوں میں ہے۔ فرمائے گا کیا تم راضی ہوئے۔ وہ عرض کریں گے ہم کیوں نہ راضی ہوں اے ہمارے رب جب کہ تو نے ہم کو وہ کچھ عطا فرمایا جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیا۔ فرمائے گا کیا میں تمہیں اس سے افضل چیز نہ دوں؟ وہ کہیں گے اے رب کونسی چیز ہے جو اس سے افضل ہے؟ ارشاد ہوگا میں نے اپنی رضا مندی تم پر نازل کی۔ اب کبھی تم سے ناراض نہیں ہوں گا۔ (بخاری کتاب التوحید)

تشریح

اللہ کی ہمیشہ ہمیشہ کیلئے رضا مندی اس کا وہ انعام ہے جس سے بڑھ کر کوئی انعام نہیں ہوسکتا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے :

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ (توبہ : ۷۲)

''اور اللہ کی رضامندی سب سے بڑی چیز ہے۔''

جب اللہ بندہ سے راضی ہوا تو کیا چیز ہے جو ملنے سے رہ گئی؟ اللہ کی خوشنودی حاصل ہونے کے بعد نہ کسی خوف وخطر کا کوئی اندیشہ رہ جاتا ہے اور نہ کسی قسم کی تکلیف کا۔ سلامتی، سکون قلب، فرحت وانبساط اور عیش وعشرت سب کچھ اللہ کی خوشنودی کے ساتھ حاصل ہوگیا اور وہ بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اب وہ ان سے کبھی ناراض نہ ہوگا۔

اُبھرتے معاشرتی مسائل

تالیف : شمس پیر زادہؒ

اس کتاب میں عائلی مسائل پر اسلام کی تعلیمات کو پیش کرتے ہوئے ان کے صحیح حل کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔عنوانات ہیں: لومیریج، نکاح کے لئے ولی، بیوی کا نفقہ، عورت اور کسب معاش، خلع، عدت، تفویض طلاق وغیرہ۔

صفحات ۸۰/ طباعت عمدہ　　قیمت ۲۵/ روپئے

ادارہ دعوۃ القرآن۔ ۵۹/ محمد علی روڈ ممبئی ۴۰۰۰۰۳

یہ کیسی دینداری ہے!

تالیف: شمس پیرزادہ

اس پمفلٹ میں مبتدعانہ دینداری کا جائزہ لیتے ہوئے قرآن وسنت کی روشنی میں بدعت کا مفہوم واضح کیا گیا ہے۔اجتہاد اور بدعت کا فرق، خوابوں کو ذریعہ تبلیغ بنانا، اولیاء پرستی اور تصرف کا عقیدہ، نذر ونیاز، محرم کی بدعات عید میلاد النبی، گیارہویں، شب برأت جیسے عنوانات پر مختصر مگر مدلل بحث نہایت سلیس انداز میں۔ اسلوب دلوں کو اپیل کرنے والا۔ اصلاح وتبلیغ کے لئے بیش بہا تحفہ۔

قیمت: صرف ۱۶/ روپئے

ادارہ دعوۃ القرآن ۵۹/ محمد علی روڈ، ممبئی ۴۰۰۰۰۳

شادی کے شرعی
اور
غیر شرعی طریقے

تالیف : شمس پیر زادہ

اسراف اور فضول خرچی، ڈیکوریشن، جہیز، ریکارڈنگ، اختلاطِ مرد وزن، فوٹو گرافی، تحفے تحائف، مہر، ولیمہ، رہائش کا مناسب انتظام جیسے موضوعات پر اصلاحی انداز میں مدلل گفتگو۔

قیمت: ۱۴/ روپئے

ادارہ دعوۃُ القرآن ۵۹/ محمد علی روڈ ممبئی ۴۰۰۰۰۳

یہ کیسا بگاڑ!

تالیف: شمس پیرزادہ

ٹیلیویژن کا غلط استعمال، اسپورٹس کا جنون، منشیات اور ڈرگز، کسب حرام، فضول خرچی جیسی چیزوں نے سوسائٹی کو بری طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے اور بگاڑ نے ایک طوفان کی شکل اختیار کرلی ہے۔ ان منکرات کے خلاف اس پمفلٹ میں مؤثر آواز اٹھائی گئی ہے۔ اور قرآن وسنت کی روشنی میں اصلاح کی دعوت پیش کی گئی ہے۔

قیمت : صرف ۷/ روپئے

ادارہ دعوۃ القرآن ۵۹۔ محمد علی روڈ بمبئی ۴۰۰۰۰۳

قرآن کریم کا ترجمہ و تفسیر پانچ زبانوں میں

۱۔اردو........................ تالیف : شمس پیرزادہؒ Rs

دعوۃ القرآن	جلداول پارہ ۱ تا ۲۰	750/-
	جلددوم پارہ ۲۱ تا ۳۰	450/-
	ترجمۂ قرآن مجید (دعوۃ القرآن کا اردو ترجمہ مع عربی متن)	300/-

۲۔مراٹھی........................

دعوۃ القرآن	جلداوّل	120/-
	جلددوم	120/-
	جلدسوم	120/-

۳۔گجراتی........................

دعوۃ القرآن	جلداوّل	350/-
	جلددوم	180/-
	جلدسوم	300/-

۴۔ہندی........................

دعوۃ القرآن	جلداوّل	350/-
	جلددوم	350/-
	جلدسوم	480/-

۵۔انگریزی........................

دعوۃ القرآن	جلداوّل	380/-
	جلددوم	285/-
	جلدسوم	460/-

ادارہ دعوۃ القرآن

۵۹۔محمد علی روڈ۔ممبئی ۴۰۰۰۰۳ ☆ فون:23465005